دسمبر ۱۹۸۹ء

ماہنامہ حکمتِ قرآن لاہور

مدیر مسئول
ڈاکٹر اسرار احمد

حرفِ اوّل	عاکف سعید	۲
ہدایت القرآن	مولانا محمد تقی امینی	۳
علامہ اقبال کے اندازِ فکر پر ویدانت کا اثر	ڈاکٹر بھاسکر راج سکسینہ	۸
نقطۂ نظر (صدق اللہ العظیم) - ۲	مولانا عبدالرؤف	۱۷
جنّت کا شجر ممنوعہ (جوابی توضیحات)	محمد صلاح الدین	۲۵
لغات و اعرابِ قرآن (۹)	پروفیسر حافظ احمد یار	۳۶
اسلام کا معاشرتی نظام (بسلسلہ ڈاکٹر طاہر سعید کے نام)	ڈاکٹر حافظ محمد مقصود	۴۹
بیت الحکمۃ (ہمدرد یونیورسٹی لائبریری)		۵۵
اشاریہ حکمتِ قرآن (بابت سال ۱۹۸۹ء)	مرتّب: حافظ خالد محمود خضر	۵۸

مرکزی انجمن خدّام القرآن لاہور

دعوت رجوع الی القرآن کی اساسی دستاویز

ڈاکٹر اسرار احمد کی مقبولِ عام تالیف

مسلمانوں پر
قرآن مجید کے حقوق

خود پڑھیے اور دوستوں اور عزیزوں کو تحفۃً پیش کیجئے

نوٹ

اس کتابچے کا انگریزی، عربی، فارسی اور سندھی زبان میں بھی ترجمہ شائع ہو چکا ہے۔ اس کے حقوقِ اشاعت نہ ڈاکٹر صاحب کے حق میں محفوظ ہیں نہ انجمن کے

شائع کردہ

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور

۳۶۔ کے ماڈل ٹاؤن، لاہور۔ فون: ۸۵۶۰۰۴

وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا
(البقرہ: ۲۶۹)

ماہنامہ

حکمتِ قرآن

لاہور

جاری کردہ: ڈاکٹر محمد رفیع الدین، ایم اے، پی ایچ ڈی، ڈی لٹ، مرحوم

مدیر اعزازی: ڈاکٹر ابصار احمد ایم اے، ایم فل، پی ایچ ڈی،

معاون مدیر: حافظ عاکف سعید، ایم اے (فلسفہ)

معاون امور انتظامی: حافظ خالد محمود خضر

جلد ۸ — دسمبر ۱۹۸۹ء مطابق جمادی الاولیٰ ۱۴۱۰ھ — شمارہ ۱۲

— یکے از مطبوعات —

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

۳۶-کے۔ ماڈل ٹاؤن۔ لاہور ۱۴۔ فون: ۸۵۶۰۰۳

کراچی آفس: ۱۱ داؤد منزل متصل شاہ بخاری۔ شاہراہ لیاقت کراچی فون: ۲۱۶۵۸۶

سالانہ زر تعاون ۔/۴۰ روپے فی شمارہ ۔/۴ روپے

مطبع: آفتاب عالم پریس، ہسپتال روڈ لاہور

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

حرفِ اوّل

'حکمت قرآن' کا زیرِ نظر شمارہ ۱۹۸۹ء کا آخری شمارہ ہے۔ اسی مناسبت سے دورانِ سال شائع ہونے والے تمام مضامین کا ایک جامع اشاریہ شاملِ اشاعت کیا جارہا ہے ——— مدیر تکبیر محترم صلاح الدین صاحب کا موعودہ مضمون بھی اِس شمارے میں شامل ہے جو انہوں نے معین قریشی صاحب کے خطوط اور مولانا اخلاق حسین قاسمی صاحب کے مضمون کے جواب میں تحریر کیا ہے۔ مدیر تکبیر کا مضمون اُن کے حسبِ خواہش بغیر کسی قطع وبرید کے شائع کیا جارہا ہے۔ تاہم جنت کے شجرِ ممنوعہ کے بارے میں ایک علمی بحث چونکہ چل نکلی ہے لہٰذا اس ضمن میں اگر اصحابِ علم میں سے کسی کی جانب سے کوئی اور مضمون ہمیں موصول ہوا تو اس کی اشاعت خارج از امکان نہ ہو گی۔

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور جیسا کہ قارئین کے علم میں ہے، خدمتِ قرآنی کا ایک وسعت پذیر ادارہ ہے جسے چند خادمانِ قرآن نے ۱۹۷۲ء میں تشکیل دیا تھا۔ یہ ادارہ الحمدللہ کہ ابتدائی مراحل سے گزر کر قرآن حکیم کی بیان کردہ "کلمہ طیبہ" کی مثال کے مصداق ایک ایسے مضبوط درخت کی شکل اختیار کر چکا ہے جس کی شاخیں کئی اطراف میں پھیل رہی ہیں۔ کتابوں، رسالوں اور کیسٹس کے ذریعے علومِ قرآنی کی عمومی نشرواشاعت اور درس وتدریسِ قرآن کے عوامی حلقوں کے اجراء کے ساتھ ساتھ قرآن کالج کا قیام ایک نئی لیکن نہایت اہم جہت کی جانب پیش رفت کا مظہر ہے۔ ادارے کی وسعت پذیری اِس امر کا تقاضا کرتی ہے کہ وابستگانِ ادارہ کی تعداد میں بھی خاطر خواہ اضافہ ہو تاکہ ایسے رفقاءِ کار بھی میسر آئیں جو محض مالی معاونت ہی پر اکتفا نہ کرتے ہوں بلکہ وقت اور صلاحیتوں کا انفاق بھی کر سکیں۔ اِس ضمن میں انجمن کے ناظم نشرواشاعت محترم لطف الرحمٰن صاحب کا مرتب کردہ چار صفحات پر مشتمل ایک مضمون اِس شمارے کے آخر میں شامل کیا گیا ہے۔ قارئین سے التماس ہے کہ وہ اِن چار صفحات کا بنظرِ غائر مطالعہ کریں اور اپنی اپنی ہمت واستعداد کے مطابق اِس کارِ خیر میں مستقل شرکت اختیار کر کے خادمانِ قرآن کی فہرست میں اپنا نام شامل کرائیں۔

وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۔ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۔

مولانا محمد تقی امینی

اصل چیز دل کی صفائی و عمل کی پاکیزگی ہے

اوپر سے جو احکام و ہدایات کا سلسلہ چلا آ رہا ہے وہ ختم نہیں ہوا، بلکہ آگے دور تک چلا گیا ہے درمیان میں دین کی ایک بڑی حقیقت سے پردہ اٹھایا گیا ہے۔ وہ یہ کہ اصل چیز دل کی سچائی اور عمل کی پاکبازی ہے۔ جس قدر احکام و ہدایات ہیں وہ اسی حقیقت کو حاصل کرنے کے لیے ہیں۔ اگر یہ نہ ہو تو تمام تر بے سود اور انکا نجات و سعادت اور اللہ کی رضا و خوشنودی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ دین و مذہب کے نام پر جس قدر جھگڑے پیدا ہوتے ہیں، فرقہ بندیاں و گروہ بندیاں وجود میں آتی ہیں وہ سب اسی ایک حقیقت کے گم کر دینے کی وجہ سے ہیں۔

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ۙ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ ۚ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ۗ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ۗ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ۝ (البقرۃ: ۱۷۷)

اصل نیکی مشرق و مغرب کی طرف منہ کر لینا نہیں ہے (کہ جس کی خاطر جھگڑا کیا جائے) بلکہ اصل نیکی تو اُس شخص کی ہے جو اللہ اور قیامت کے دن اور فرشتوں اور کتابوں اور نبیوں پر ایمان لائے اور اللہ کی محبت میں رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں اور سوال کرنے والوں پر مال خرچ کرے نماز پڑھے اور زکوٰۃ دے اور جب عہد کرے تو عہدوں کو پورا کرنے والا بنے اور تنگدستی بیماری اور لڑائی کے وقت صبر کرنے والا ثابت ہو یہی سچے لوگ ہیں اور یہی صاحب

کردار ہیں[۳]

---

[۱] انسان کا خاصہ ہے کہ جب اس کے سامنے بڑی چیزیں نہیں ہوتی ہیں تو چھوٹی چھوٹی چیزوں کو نجات و سعادت اور اللہ کی رضامندی و خوشنودی کے لیے سب کچھ سمجھ لیتا ہے۔ پھر انہی میں اپنی ساری توجہ اور اپنا سارا زور صرف کرتا ہے۔ گری ہوئی قوموں کا یہ شیوہ رہا ہے کہ گراوٹ و پستی کے زمانہ میں دین و مذہب کی بڑی بڑی باتیں جن سے زندگی کی تعمیر ہوتی ہے اور جن سے ترقی و سربلندی کی راہیں کھلتی ہیں وہ نظروں سے اوجھل کر دیتی ہیں اور تسلی کے لیے چھوٹی چھوٹی باتیں رہ جاتی ہیں۔ اور انہی کو دین و مذہب کا سب کچھ سمجھ کر آپس میں جھگڑا کرتی ہیں، حالانکہ یہ چھوٹی چھوٹی باتیں نہ زندگی کی تعمیر میں مددگار بنتی ہیں اور نہ ان سے ترقی و سربلندی کی راہیں کھلتی ہیں؛ بلکہ بسا اوقات ان سے نقصان پہونچتا ہے۔

[۲] دل کی سچائی و عمل کی پاکبازی اصل نیکی سے حاصل ہوتی ہے جو یہ ہیں:-

(ا) سچا ایمان جو ایک ذہنی و فکری فیصلہ ہے اور دل کی سچائی و عمل کی پاکبازی کے لیے بنیاد بنتا ہے۔

(ب) اللہ سے محبت کا تعلق جو ہر کام اسی کے لیے کرنے پر آمادہ کرتا ہے اور کام کو ملاوٹ سے پاک رکھتا ہے۔

(ج) نماز و زکوٰۃ کی ادائیگی جس سے صفائی و ستھرائی پیدا ہوتی اور کردار سازی پیدا ہوتی ہے۔

(د) عہد و معاہدہ کو پورا کرنا جو زندگی کی سب سے بڑی ذمہ داری ہے۔ اور جس سے زندگی کی پہچان ہوتی ہے۔

(ر) صبر و ضبط جو زندگی کا جوہر ہے۔ اور ترقی و سربلندی کی راہ میں اوّل و آخر جس کی سب سے بڑی ضرورت ہے۔ بطور مثال ان پانچ چیزوں کے ذکر کے بعد فرمایا کہ "یہی لوگ سچے اور یہی صاحبِ کردار ہیں۔

[۳] سوچنے کی بات یہ ہے کہ سچائی اور صاحبِ کردار ہونے کے لیے جس قسم کے عملی کام گنائے گئے ہیں ان کا دین و مذہب کے نام پر جو رسم و رواج ہیں اُن سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اسی طرح دین و مذہب کی چھوٹی چھوٹی باتیں جن کے لیے آپس میں جھگڑے ہوتے ہیں ان سے بھی انکا کوئی تعلق نہیں ہے۔

حکم اور قانون میں انسانی مساوات

اللہ کی ہدایت میں انسانی مساوات کی بڑی اہمیت ہے۔ اس کے بغیر ہدایت کا ہر حکم اور ہر قانون ناقص رہتا ہے۔ اس میں اونچ نیچ، شریف و رذیل، آزاد و غلام اور ذات برادری کی گنجائش نہیں ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ بڑوں کے لیے کوئی حکم اور قانون ہو، چھوٹوں کے لیے اس کے خلاف ہو۔ لیکن اللہ کی ہدایت کے برخلاف لوگوں نے جس قدر انسانی مساوات کو پامال کیا وہ تاریخ انسانی کا ایک سیاہ باب ہے۔ تاریخ کو بگاڑنے میں مذہبی جاگیر داروں اور سرمایہ داروں کا بڑا ہاتھ رہا ہے۔ یہ دونوں مل کر چھوٹوں اور کمزوروں کے حقوق ضائع کرتے رہے ہیں۔ پھر کسی کو سوسائٹی میں اس کے خلاف آواز اٹھانے کی ہمت نہیں ہوئی ہے۔ اور اگر عوامی و جمہوری حقوق کے لیے کوئی تحریک یا آواز اٹھی تو ان دونوں نے ملکر اس کو دبا دیا۔ آیت میں خاص طور سے مسلمانوں کو حکم اور قانون میں مساوات برتنے کی تاکید ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى ۭ اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى ۭ فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَاۗءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ ۭ ذٰلِكَ تَخْفِيْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ ۭ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝ (البقرۃ: ۱۷۸-۱۷۹)

اے ایمان والو! مقتولوں میں برابری کرنا تم پر فرض کیا گیا ہے۔ آزاد بدلے آزاد کے اور غلام بدلے غلام کے اور عورت بدلے عورت کے لیے جس کو اس کے بھائی کی طرف سے کچھ معافی مل جائے تو دستور کے مطابق مطالبہ کرنا چاہیے اور حسن سلوک کے ساتھ اسے ادا کرنا چاہیے۔ یہ تمہارے رب کی طرف سے آسانی اور مہربانی ہے۔ جو شخص اس کے بعد زیادتی کریگا تو اس کے لیے دردناک عذاب ہے[۲] اور اے عقل والو، تمہارے لیے قصاص میں زندگی ہے تاکہ تم ایک دوسرے کا خون بہانے سے بچو![۳]

لے قاتل کتنا ہی زیادہ اونچا اور بڑا سمجھا جاتا ہو اور مقتول کتنا ہی زیادہ نیچا اور ذلیل سمجھا جاتا ہو تو اس میں کسی قسم کی رعایت نہ ہوگی - قاتل کی نہ جان بخشی ہوگی اور نہ اس کے بدلے کسی اور کو قتل کیا جائے گا -

لے ہاں اگر مقتول کے وارث خون کی قیمت (دیت) لینے پر راضی ہو جائیں - تو یہ اللہ تعالے کی طرف سے رعایت ہے کہ خون کی قیمت لے کر قاتل کی جان بخشی کر دی جائے اور لینے و دینے دونوں میں قاعدہ و قانون اور حسن سلوک کی پابندی کی جائے - اللہ کی رعایت سے فائدہ اٹھانے میں کسی کی طرف سے بھی زیادتی اور بدسلوکی اللہ کے عذاب کو دعوت دینا ہے -

سلے جان کے بدلے جان لینے کو قصاص کہتے ہیں - اس میں مقتول کے بدلے قاتل کو قتل کیا جاتا ہے - پھر بھی کہا گیا ہے کہ اس میں زندگی ہے - وجہ یہ ہے کہ قصاص میں بلاشبہ ایک فرد (قاتل) کی جان جاتی ہے لیکن پوری سوسائٹی کی جانیں محفوظ ہو جاتی ہیں - ہر شخص دوسرے کے قتل سے ڈرنے لگتا ہے کہ اس کے بدلہ میں مجھے بھی قتل کیا جائے گا - اور اگر قاتل آزاد چھوڑ دیا جائے گا اور قانون کی گرفت سے بے نیاز ہو جائے گا تو امن و امان اٹھ جائے گا اور دوسرے پر دست درازی میں کوئی بڑی رکاوٹ نہ رہ جائیگی - جان کے بدلے میں خون کی قیمت (دیت) لینے کی اللہ کی طرف سے جو رعایت دی گئی ہے اس سے وارثوں کا ایک حق قائم رہتا ہے اور بعض صورتوں میں غریب وارثوں کے امداد کی شکل نکل آتی ہے - لیکن یہ اسی صورت میں ہے کہ سوسائٹی میں کسی بڑی خرابی کا اندیشہ نہ ہو - اور اگر دیت (خون کی قیمت) لے کر قاتل کو چھوڑ دینے میں دوسری خرابیوں کا اندیشہ ہوگا تو یہ رعایت ختم کر دی جائے گی اور چند ورثاء کے مقابلہ میں پوری سوسائٹی کے فائدہ اور اس کی بہتری کو ترجیح دی جائے گی - غریب وارثوں کے امداد کی دوسری شکلیں نکالی جائیں گی - ویسے بھی غریبوں کی دیکھ بھال اور انکی امداد حکومت اور سوسائٹی پر فرض ہے -

مرتے دم تک حقوق کی حفاظت

اللہ کی ہدایت نے ایک دوسرے کے حقوق کا بڑا لحاظ کیا ہے - اس پر عمل ٹھیک عمل درآمد سے چھوٹے بڑے جوان، بوڑھے سبھی کے حقوق محفوظ رہتے ہیں - نہ صرف زندگی میں ہر

ایک کا حق دوسرے سے وابستہ کیا ہے، بلکہ مرنے کے بعد بھی دوسرے کے حق کیلئے وصیت کا حکم دیا ہے اور حصے مقرر کئے ہیں۔ وارثوں سے چونکہ خونی رشتہ ہوتا ہے اور دوسروں کے مقابلہ میں، وہ زیادہ قریب ہوتے ہیں اس لیے ان کا حق مقدم ہے۔ پھر ماں باپ، آل اولاد کا حق دوسرے وارثوں پر بھی مقدم ہے۔ ضروری نہیں ہے کہ یہ وارث مسلمان ہی ہوں۔ وصیت کے ذریعہ غیر مسلموں کے حقوق کی بھی حفاظت کا حکم ہے آیت میں وصیت کی تاکید ہے جس میں مسلم وغیر مسلم کی خصوصیت نہیں ہے۔

كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرًا ۖ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ ۖ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ ۝ فَمَنْ بَدَّلَهُ بَعْدَ مَا سَمِعَهُ فَإِنَّمَا إِثْمُهُ عَلَى الَّذِينَ يُبَدِّلُونَهُ ۚ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۝ فَمَنْ خَافَ مِنْ مُوصٍ جَنَفًا أَوْ إِثْمًا فَأَصْلَحَ بَيْنَهُمْ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝ (البقرة : ۱۸۰ - ۱۸۲)

جب تم میں کسی کو موت آجائے اور وہ مال چھوڑے تو ماں باپ اور رشتہ داروں کے لیے مناسب طریقے سے وصیت کرنا فرض کیا گیا ہے۔ پرہیزگاروں کو (خاص طور سے) اسکی تاکید ہے [1] پھر جو وصیت کو سننے کے بعد بدل دیں تو اس کا گناہ انہی پر ہے جو اس کو بدل دیتے ہیں۔ بیشک اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔ ہاں اگر وصیت کرنے والے کی طرف سے طرفداری یا گناہ (حق تلفی) کا اندیشہ ہو اور ان کے درمیان اصلاح کر دے تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے۔ بیشک اللہ بخشنے والا نہایت رحم والا ہے [1]

---

[1] سورۃ النسا (آیت: ۱۱ - ۱۲) میں والدین اور رشتہ داروں کے حصے مقرر کر دیئے گئے ہیں، جس کی بنا پر یہ حکم اب سب کے لیے نہیں رہ گیا ہے، بلکہ کچھ لوگوں کے لیے ہے۔ مثلاً
(۱) وہ والدین اور رشتہ دار جو غیر مسلم ہیں اور قانون کے مطابق حصہ نہیں پاسکتے۔
(باقی ص۲۴ پر)

علامہ اقبال کے اندازِ فکر پر ویدانت کا اثر

—— از قلم : ڈاکٹر بھاسکر راج سکسینہ ——

حیدر آباد (دکن) کے حالیہ سفر کے دَوران روزنامہ "سیاست" میں یہ مضمون نظر سے گذرا۔ جسے بغیر کسی تائید یا تردید کے قارئین کی دلچسپی کے لئے شائع کیا جا رہا ہے —— اس وضاحت کے ساتھ کہ اس کے بعض حوالوں کی توثیق نہیں کی جا سکی، مثلاً یہ "روشن مرے سینے میں محبت کا شرر ہو!" یہ دو اشعار کلیاتِ اقبال میں موجود نہیں ہیں۔ اگرچہ یہ عین ممکن ہے کہ یہ اشعار ہوں تو علامہ مرحوم ہی کے لیکن کلام کے تدوین کے وقت شامل نہ کئے گئے ہوں۔ (دوسرے شعر کے مصرعہ اوّل میں کوئی لفظی غلطی بھی معلوم ہوتی ہے) اسی طرح "مثنوی اسرارِ خودی" کا مقدمہ بھی اب شاملِ کتاب نہیں ہوتا، لہٰذا فوری طور پر اس کے اقتباس کی بھی توثیق ممکن نہ ہو سکی۔ یہی معاملہ عبدالکریم جیلی والے مضمون کے اقتباس کا بھی ہے، اور علامہ کے اس 'مبیّنہ' قول کا بھی کہ:
"بُت کے سامنے جاگتا ہُوا کافر حرم میں سوتے ہوئے مومن سے بہتر ہے!" —— حوالوں کی یہی تشنگی کپل رشی اور سلاسلِ صوفیہ سے متعلق حوالوں کے ضمن میں بھی ہے۔ —— بایں ہمہ تحریر دلچسپ بھی ہے اور فکرِ اقبال پر ایک بالکل نئے زاویہ سے روشنی ڈالنے والی بھی —— اقبالیات سے دلچسپی رکھنے والے حضرات اس پر اظہارِ رائے فرمائیں تو مفید ہو گا۔

نوٹ : تحریر میں دکن کے اردو محاورے کو جو شمالی ہند میں نامانوس ہے ذرا تبدیل کر دیا گیا ہے لیکن نفسِ مضمون میں کوئی تبدیلی نہیں کی گئی —— اسرار احمد

ویدانت یعنی ویدوں کی تعلیمات کا وہ حصّہ جو روحانیت کے اساسی اقدار فکری پر مبنی ہے وہ روحانیت کا سرچشمہ یا منبع مانا گیا ہے۔ دراصل ہندو دھرم کی بنیاد ویدانت کے عارفانہ اندازِ فکر ہی پر قائم ہے۔ دوسرے الفاظ میں ویدانت کو ہندو فلسفۂ روحانیت کا نام دیا جا سکتا ہے۔ ویدانت کے اساسی اقدار فکری پر بھارت کے ممتاز مفکر اور مذہبی رہنماؤں یعنی رشیوں نے تفسیر لکھی۔ ان تفسیروں کو اپنشد کہا جاتا ہے۔ دراصل اپنشد کا فلسفہ ویدانت کا لُبِّ لباب ہے جس میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ فرد کا اپنے پروردگار اور کائنات سے کیا رشتہ ہے۔ اور اس کی زندگی کا کیا مقصد ہے۔ ویدانت کے ذریعے اساسی اقدار، فلسفۂ حیات، روحانیت اور رومانیت کے ساتھ ساتھ فلسفہ مابعد الطبیعیات (METAPHYSICS) کے متعلق بھی بہت تفصیل سے بحث کی گئی ہے۔ نظریۂ وحدت الوجود کو ویدانتی ادویت[1] واد کہتے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ یہ بہت ہی مبنی بر ذہانت اور مکمل فلسفہ ہے۔ اس لئے پچھلے ہزاروں سال (تقریباً تین ہزار سالوں) سے نوعِ انسانی کی اعلیٰ ترین اور بہترین شخصیات اور مختلف قوموں اور نسلوں کے مفکّرین، مذہبی رہنما، مہاتما، صوفی، سائنسدان، شاعر اور ادیب اس ویدانتی فکر و نظر سے مستفید اور متأثر ہوتے رہے ہیں۔ خاص بات یہ ہے کہ عہدِ حاضر کے ماہرینِ ریاضی اور طبیعیات تو بشمول آئن سٹائن ویدانت ہی کی زبان میں گفتگو کرتے ہیں۔ گرو دیو رابندر ناتھ ٹیگور نے ویدانت کے جام پر جام پیئے اور مست

---

[1] سنسکرت زبان میں کسی صفت کی مقابل کیفیت کی تعبیر کے لئے اس کے شروع میں الف لگا دیا جاتا ہے جیسے مرسے اَمَر، ٹل سے اٹل، اسی طرح "دویت" کے معنی ہیں دوئی یا ثنویت اور "ادویت" کے معنی ہیں دوئی کا فقدان یعنی وحدتِ مطلق ـــــ اور چونکہ "حلول" اور "اتحاد" کے لئے بھی ابتداءً دو اشیاء کا وجود ضروری ہے جو بعد ازاں ظاہری وحدت کی صورت اختیار کریں، لہٰذا مسلمانوں میں جو مفکرین وحدت الوجود کے قائل ہیں وہ ان دونوں نظریوں کو اسی دلیل سے رد کرتے ہیں کہ ؎

حلول و اتحاد ایں جا محال است کہ در وحدت دوئی عین ضلال است

جھومتے ہوئے دنیا کے ہر فرد کے لئے ہی نہیں بلکہ کائنات کے ہر ذرّہ کے لئے ایسا پیام محبت دے گئے جو شانتی اور رنگا رنگ خوبصورتی سے بھرپور ہے اور جس میں گلہ شکوہ کی بُو تک نہیں ہے۔

علاّمہ اقبال جو غیر منقسم بھارت کے ایک ممتاز فلسفی تھے اس کلاسیکی ادب سے متاثر تھے۔ انہوں نے سنسکرت کی تعلیم سوامی رام تیرتھ سے حاصل کی جو لاہور کالج میں ریاضی کے پروفیسر تھے۔ سوامی جی نے ہی اقبال کو سنسکرت ادب اور ویدانت کے فلسفہ سے روشناس کروایا تھا۔ علاّمہ اقبال جب اعلیٰ تعلیم کے لئے جرمنی گئے تو وہاں MAXMULLER کے تبصروں سے مستفید ہوئے۔ MAXMULLER نے جو کچھ ویدانت کے تعلق سے لکھا ہے بہت خوب اور غیر معمولی ہے۔ MAXMULLER کے علاوہ جرمنی میں بہت سے دانشور اور فلسفی ہوئے ہیں جنہوں نے فلسفۂ ویدانت پر بہت ریسرچ کی اور کئی مقالے شائع کئے۔ اقبال نے چونکہ اپنی ریسرچ شعبہ فلسفہ میں کی تھی اس لیے وہ ان تحقیقات سے روشناس تھے۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ علامہ جدلیاتی فلسفہ سے متأثر نہ تھے (میرا مطلب کمیونسٹ نظریات سے ہے)۔ یہ بھی بہت حد تک صحیح ہے کہ کارل مارکس اور ان کے پیرو کمیونسٹ بشمول بھارتی کمیونسٹ ویدانت کے فلسفہ سے متأثر اور متحرک نہ ہو سکے کیونکہ ان کی وسعت نظر پیداوار، زر، تقسیم زر اور مزدوروں اور سرمایہ داروں کی کشمکش کی حدود سے آگے نہیں جاتی۔ کمیونسٹ دنیا میں ہر چیز کے دام جانتے ہیں لیکن روحانیت کا بھاؤ وہ نہیں جانتے۔ فلسفۂ ویدانت کا پہلا سبق ہے پریم اور ہم آہنگی ہر فرد اور دوسرے فرد کے درمیان۔ اور دوسرا اہم پہلو ہے کہ ہر فرد کائنات کے (بشمول اس فانی دنیا کے) ہر ذرّہ میں سچائی، تقدس اور پریم ہے اور ہر انسان کو چاہیئے کہ اپنے افعال یعنی کرم، اپنی تعلیم یعنی ودیک اور عقیدت اور عبادت یعنی بھگتی کی راہ پر چلتے ہوئے اپنے عظیم مرتبہ پر قائم رہے۔ جسے سنسکرت میں کہتے ہیں " امرت تیسیہ پتر " یعنی بنی نوع انسان مقدس اولاد کی حیثیت رکھتی ہے۔ اردو میں ترجمہ اس سے بہتر نہیں ہو سکتا۔ انگریزی میں موزوں ترجمہ ہوتا ہے "CHILDREN OF BLISS" گویا ہر انسان کے لئے ضروری ہے کہ اپنی اس حیثیت کو قائم رکھے۔ اگر

فرد لالچ، جھوٹ، مکر و فریب کے چکّر میں آجائے تو وہ کائنات کے پُرسکون اور مقدس ماحول میں انتشار پیدا کر کے اپنے مقام سے گر جاتا ہے۔ یاد رہے کہ " امرت تیسیہ پتر " ہونے کا پیدائشی حق ہر فرد کو بلا لحاظ تعلیم، دولت، سیاسی یا حکمرانی رتبہ، جنس اور رنگ و نسل کے حاصل ہے۔ اس فلسفہ ویدانت کو اقبال نے کچھ اس طرح پیش کیا ہے ؎

روشن مرے سینے میں محبّت کا شرر ہو
دل خوف سے آزاد ہو بیباک نظر ہو
پہلو میں مرے دل ہو آشامِ محبّت
ہر شے ہو مرے واسطے پیغامِ محبّت

فلسفۂ ویدانت پر تبصرہ مختلف رشیوں اور مہاتماؤں نے اُپنشدوں کے ذریعے کیا ہے۔ اور ان کے چند خاص پہلو حسبِ ذیل ہیں۔

۱۔ انسان روحِ لافانی ہے اور یہ اس ذاتِ کریمی BRAHMNAN یعنی 'الحق' کا ایک ذرّہ ہے۔ روح یا آتما کو نہ کوئی مار سکتا ہے، نہ جلا سکتا ہے، نہ کاٹ سکتا ہے۔ یہ کبھی بھی نہ مرتی ہے نہ فنا ہو سکتی ہے۔ اس اندازِ فکر کو اقبال نے کچھ اس طرح پیش کیا ہے ؎

موت تجدیدِ مذاقِ زندگی کا نام ہے —!
خواب کے پردے میں بیداری کا اک پیغام ہے

انسان کو لازم ہے کہ وہ اپنے افعال (کرم) اور عقیدت و عبادت (بھگتی) کے ذریعے نجات (مکتی) پا کر اس لافانی میں شامل ہو کر فنا ہو جائے جسے "الحق" کہتے ہیں ؎

موت کو سمجھے ہیں غافل اختتامِ زندگی
ہے یہ شامِ زندگی صبحِ دوامِ زندگی

۲۔ ویدانت کا دوسرا اہم جزو یہ ہے کہ 'آتما'، فانی جسم میں مقیّد ہے اور ہر انسان کو آزادی حاصل ہے کہ وہ اس فانی دنیا میں ایک پاک اور نیک نفس فرد کی حیثیت سے اپنے فرائض انجام دے کر مکتی پائے، یا پھر کوتاہی اور ناپاکی کا شکار ہو جائے اور بار بار جنم لیتا رہے۔ 'بالِ جبریل' اور 'زبورِ عجم' کے بنیادی زاویۂ فکر پر اُپنشدوں کی تعلیم کا

جھومتے ہوئے دنیا کے ہر فرد کے لئے ہی نہیں بلکہ کائنات کے ہر ذرّہ کے لئے ایسا پیام محبت دے گئے جو شانتی اور رنگا رنگ خوبصورتی سے بھرپور ہے اور جس میں گلہ شکوہ کی بُو تک نہیں ہے۔

علامہ اقبال جو غیر منقسم بھارت کے ایک ممتاز فلسفی تھے اس کلاسیکی ادب سے متاثر تھے۔ انہوں نے سنسکرت کی تعلیم سوامی رام تیرتھ سے حاصل کی جو لاہور کالج میں ریاضی کے پروفیسر تھے۔ سوامی جی نے ہی اقبال کو سنسکرت ادب اور ویدانت کے فلسفہ سے روشناس کروایا تھا۔ علامہ اقبال جب اعلیٰ تعلیم کے لئے جرمنی گئے تو وہاں MAXMULLER کے تبصروں سے مستفید ہوئے۔ MAXMULLER نے جو کچھ ویدانت کے تعلق سے لکھا ہے بہت خوب اور غیر معمولی ہے۔ MAXMULLER کے علاوہ جرمنی میں بہت سے دانشور اور فلسفی ہوئے ہیں جنہوں نے فلسفۂ ویدانت پر بہت ریسرچ کی اور کئی مقالے شائع کئے۔ اقبال نے چونکہ اپنی ریسرچ شعبہ فلسفہ میں کی تھی اس لیے وہ ان تحقیقات سے روشناس تھے۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ علامہ جدلیاتی فلسفہ سے متاثر نہ تھے (میرا مطلب کمیونسٹ نظریات سے ہے)۔ یہ بھی بہت حد تک صحیح ہے کہ کارل مارکس اور ان کے پیرو کمیونسٹ بشمول بھارتی کمیونسٹ ویدانت کے فلسفہ سے متاثر اور متحرک نہ ہو سکے کیونکہ ان کی وسعت نظر پیداوار، زر، تقسیم زر اور مزدوروں اور سرمایہ داروں کی کشمکش کی حدود سے آگے نہیں جاتی۔ کمیونسٹ دنیا میں ہر چیز کے دام جانتے ہیں لیکن روحانیت کا بھاؤ وہ نہیں جانتے۔ فلسفۂ ویدانت کا پہلا سبق ہے پریم اور ہم آہنگی ہر فرد اور دوسرے فرد کے درمیان۔ اور دوسرا اہم پہلو ہے کہ ہر فرد کائنات کے (بشمول اس فانی دنیا کے) ہر ذرّہ میں سچائی، تقدس اور پریم ہے اور ہر انسان کو چاہیئے کہ اپنے افعال یعنی کرم، اپنی تعلیم یعنی ودیک اور عقیدت اور عبادت یعنی بھگتی کی راہ پر چلتے ہوئے اپنے عظیم مرتبہ پر قائم رہے۔ جسے سنسکرت میں کہتے ہیں " امرت تیسیہ پتر " یعنی بنی نوع انسان مقدس اولاد کی حیثیت رکھتی ہے۔ اردو میں ترجمہ اس سے بہتر نہیں ہو سکتا۔ انگریزی میں موزوں ترجمہ ہوتا ہے "CHILDREN OF BLISS" گویا ہر انسان کے لئے ضروری ہے کہ اپنی اس حیثیت کو قائم رکھے۔ اگر

فرد لالچ، جھوٹ، مکر و فریب کے چکر میں آجائے تو وہ کائنات کے پُرسکون اور مقدس ماحول میں انتشار پیدا کر کے اپنے مقام سے گر جاتا ہے۔ یاد رہے کہ "امرت تیسیہ پتر" ہونے کا پیدائشی حق ہر فرد کو بلا لحاظ تعلیم، دولت، سیاسی یا حکمرانی رتبہ، جنس اور رنگ و نسل کے حاصل ہے۔ اس فلسفہ ویدانت کو اقبال نے کچھ اس طرح پیش کیا ہے ؎

روشن مرے سینے میں محبت کا شرر ہو
دل خوف سے آزاد ہو بیباک نظر ہو
پہلو میں مرے دل ہو آشام محبت
ہر شے ہو مرے واسطے پیغام محبت

فلسفۂ ویدانت پر تبصرہ مختلف رشیوں اور مہاتماؤں نے اُپنشدوں کے ذریعے کیا ہے۔ اور ان کے چند خاص پہلو حسب ذیل ہیں۔

۱۔ انسان روحِ لافانی ہے اور یہ اس ذاتِ کریمی BRAHMNAN یعنی 'الحق' کا ایک ذرّہ ہے۔ روح یا آتما کو نہ کوئی مار سکتا ہے، نہ جلا سکتا ہے، نہ کاٹ سکتا ہے۔ یہ کبھی بھی نہ مرتی ہے نہ فنا ہو سکتی ہے۔ اس اندازِ فکر کو اقبال نے کچھ اس طرح پیش کیا ہے ؎

موت تجدیدِ مذاقِ زندگی کا نام ہے —!
خواب کے پردے میں بیداری کا اک پیغام ہے

انسان کو لازم ہے کہ وہ اپنے افعال (کرم) اور عقیدت و عبادت (بھگتی) کے ذریعے نجات (مکتی) پا کر اس لافانی میں شامل ہو کر فنا ہو جائے جسے "الحق" کہتے ہیں ؎

موت کو سمجھے ہیں غافل اختتامِ زندگی
ہے یہ شامِ زندگی صبحِ دوامِ زندگی

۲۔ ویدانت کا دوسرا اہم جزو یہ ہے کہ 'آتما' فانی جسم میں مقیّد ہے اور ہر انسان کو آزادی حاصل ہے کہ وہ اس فانی دنیا میں ایک پاک اور نیک نفس فرد کی حیثیت سے اپنے فرائض انجام دے کر مکتی پائے، یا پھر کوتاہی اور ناپاکی کا شکار ہو جائے اور بار بار جنم لیتا رہے۔ 'بالِ جبریل' اور 'زبورِ عجم' کے بنیادی زاویۂ فکر پر اُپنشدوں کی تعلیم کا

اثر ہے۔ آتما (خودی) کے ارتقاء کے تعلق سے یہ شعر ملاحظہ ہو ؎

خودی کیا ہے ؟ رازِ درونِ حیات !
خودی کیا ہے ؟ بیداریٔ کائنات !

علّامہ اقبال نے نہ صرف اپنے اشعار میں بلکہ اپنی نثر میں بھی ہندو فلسفے کے بارے میں بہت کچھ لکھا ہے۔ اپنی مثنوی 'اسرارِ خودی' کے پیش لفظ میں اقبال گیتا کی تعلیمات کے اصل محرک پر کچھ اس طرح رقم طراز ہیں :

" شری کرشن جی کا نام ہمیشہ عزّت و محبّت کے ساتھ لیا جائے گا۔ کیونکہ ان کی عظیم تعلیمات نے بہت دل نشیں پیرائے میں اپنے ملک و قوم کی فلسفیانہ روایات پر تنقید کی ہے اور یہ ثابت کر دکھایا ہے کہ ترکِ عمل کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہم عمل کرنا ہی چھوڑ دیں، کیونکہ عمل وہ شے ہے جس کا فطرتِ انسانی تقاضا کرتی ہے اور یہ زندگی میں نئی روح پیدا کرتا ہے۔ دراصل ترکِ عمل کا مطلب یہ ہے کہ ہم خود کو عمل کے نتائج سے بے تعلق کر لیں اور عمل پیرا رہیں "

گیتا سے متأثر ہو کر لکھا گیا ملاحظہ ہو ان کا یہ شعر ؎

عمل سے زندگی بنتی ہے جنّت بھی جہنّم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

علّامہ اقبال کے فلسفۂ خودی کے تعلق سے بھارت اور پاکستان میں بہت سے نقّاد، تحقیق نگار، شاعر اور ادیب ریسرچ میں مصروف ہیں۔ ذیل کے اشعار جن کا تعلق بھگوت گیتا کی تعلیم اور فلسفہ سے ہے خاص طور سے قابلِ ذکر ہیں۔ یہ گیتا کے عالمی پیام کو عام انسان تک، خاص طور سے اردو دان حضرات کے لئے بہت متأثر کرنے والے ہیں ؎

اپنی دنیا آپ پیدا کر اگر زندوں میں ہے
سرِّ آدم ہے ضمیرِ کُن فکاں ہے زندگی

یقیں محکم، عمل پیہم، محبّت فاتحِ عالم
جہادِ زندگانی میں ہیں یہ مَردوں کی شمشیریں

جس کا عمل ہے بے غرض اس کی جزا کچھ اور ہے
حور و خیام سے گذر، بادہ و جام سے گذر

قناعت نہ کر عالمِ رنگ و بو پر
چمن اور بھی، آشیاں اور بھی ہیں

تو شاہیں ہے پرواز ہے کام تیرا
ترے سامنے آسماں اور بھی ہیں

یہ گھڑی محشر کی ہے تو عرصۂ محشر میں ہے
پیش کر غافل عمل کوئی اگر دفتر میں ہے

علامہ اقبال کے آباء و اجداد کشمیری پنڈت تھے اور انہوں نے اسلام قبول کیا تھا۔ شاید یہی وجہ تھی کہ علامہ اقبال کو اپنے برہمن نژاد ہونے پر فخر تھا۔ ان کا یہ فارسی شعر اس کی ترجمانی کرتا ہے ؎

مرا بنگر کہ در ہندوستاں دیگر نمے بینی
برہمن زادۂ رمز آشنائے روم و تبریز است

گیتا اور ویدانت کی تعلیمات کی روشنی میں انسان کی زندگی کا مقصد صرف یہ ہے کہ ہر شخص سچائی کو اپنے عمل یعنی کرم، گیان یعنی علم ـــــ وہ علم جو سچ اور جھوٹ کی شناخت اور ان کے درمیان تمیز کرنے کی صلاحیت پیدا کرتا ہے ـــــ اور بھگتی یعنی عقیدت و عبادت پر عمل پیرا ہو کر اس پرمیشور سے جو نراکار ہے (یعنی جس کی کوئی شکل نہیں جانتا)، نرگن ہے (یعنی جو صفات سے اعلیٰ تر ہے) جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا، جو وقت اور جگہ دونوں ہی سے برتر ہے) سے جا ملے۔ یعنی موکش اور مکتی پائے۔

یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ ویدانت اور اُپنشدوں کے ساتھ بھگوت گیتا کے متعدد شلوکوں سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ ایشور یعنی خدا کو نراکار (جس کی کوئی شکل نہیں) بتلایا گیا ہے۔

یہ کہنا کہ خدا کے نرا کار ہونے کا اعلان کچھ جدید مذاہب ہی میں پایا جاتا ہے، صحیح نہیں ہے۔ رہا سوال یہ کہ جب نرا کار کہا گیا تو پھر مورتی پوجا کیسی؟ تو یہ ایک الگ بحث ہے۔ اس بحث کا اس مضمون سے کوئی تعلق نہیں لیکن بُت پرستوں کے تعلق سے اقبال کہتے ہیں: "بُت کے سامنے جاگتا ہوا کافر حرم میں سوئے ہوئے مومن سے بہتر ہے۔" علامہ اقبال کے ایک مضمون کا عنوان تھا:

"عبدالکریم الجیلی کا نظریۂ توحید مطلق"۔ اس مضمون کا حصّہ ماخوذ:

"ہم گہرے فلسفیانہ شعور میں ہندومت کی برتری کو تسلیم کرتے ہیں۔ ظہور اسلام کے بعد عربوں کی تاریخ شاندار فتوحات کا ایک سلسلہ ہے۔ اس نے انہیں ایک ایسا طرز زندگی اختیار کرنے پر مجبور کیا جس میں فلسفہ و علوم کے عظیم میدانوں میں نسبتاً بہت ہی کم فرصت تھی۔ اس لیے وہ کپل رشی (ایک بہت ہی عالم ہندو مہاتما جو سانکھیہ درشن یعنی فلسفہ کے بانی تھے) اور شنکر اچاریہ (جو ادویت واد یعنی وحدت الوجود میں ایقان رکھتے تھے) جیسی شخصیتیں نہ پیدا کر سکے اور نہ پیدا کر سکتے تھے۔"

کپل کے فلسفہ کے بارے میں علامہ نے لکھا:

"جب خدا کسی شخص پر اپنے اسماء کی تجلی فرماتا ہے تو وہ شخص تجلّیٔ اسماء کے جلالی انوار سے فنا ہو جاتا ہے۔ اس فنا کو جسمانی موت سے خلط ملط نہیں کرنا چاہیئے، کیونکہ فرد تو زندہ رہتا ہے اور چرخے کی طرح حرکت کرتا ہے، جیسا کپل نے پراکرتی سے اتحاد حاصل کرنے کے بعد کہا تھا کہ اس مقام پر پہنچ کر ایک فرد مُوحد صدا لگاتا ہے 'مَن تو شُدم تو مَن شُدی' یعنی اب ہمیں کوئی جُدا نہیں کر سکتا۔"

تصوّف کے بارے میں اقبال نے کہا تھا:

"سلاسلِ صوفیاء (مثلاً نقشبندیہ) نے ہندو ویدانتوں سے مشاہدۂ غیب کا مقام حاصل کرنے کے طریقے مستعار لے لیے ہیں۔ انہوں نے ہندوؤں کے نظریۂ کنڈالنی کی نقل کرنا سیکھا یعنی جسمِ انسانی میں مختلف رنگوں

کی روشنی کے چھ بڑے مرکز ہیں۔ ایک صوفی کا کام یہ ہے کہ مراقبہ کے کچھ طریقوں سے اُنہیں حرکت میں لائے تاکہ اُسے مشاہدۂ غیب کا مقام حاصل ہو۔"

اسی طرح صوفیاء کے نظریۂ فنا کو بھی اقبال بدھوں کے فلسفۂ نروان (جو ویدانت کے لحاظ سے موکش یا مکتی ہے) ہی سے مستعار قرار دیتے ہیں۔

یہ یاد رہے کہ گیارہویں صدی عیسوی میں البیرونی نے جس نے بھارت میں کئی سال حصول تعلیم اور ریسرچ کے لئے صَرف کئے تھے، پنانجلی (جو ایک مشہور فلسفی گزرے ہیں) کی تالیف "پنانجلی سوتر" کا سنسکرت سے عربی میں ترجمہ کیا۔ اس ترجمہ نے بھی صوفیاء کرام کو ہندو فلسفۂ روحانیت سے نہ صرف واقف کروایا بلکہ متأثر بھی کیا۔ حقیقت نہانی کے حسن کے ابدی ہونے کا نظریہ جسے ابن سینا اور اس کے بعد دوسرے صوفیوں نے تسلیم کیا تھا، اقبال اسے بھی بودھوں اور ہندوؤں کے اثرات سے منسوب کرتے ہیں۔

اقبال نے فلسفہ ویدانت کا گہرا مطالعہ کیا تھا جس نے ان کے فلسفۂ خودی، التزام جہد وعمل سے متعلق نظریات کے ارتقاء پر دور رس اثرات چھوڑے ہیں۔ جن کا تفصیلی جائزہ نقاد اور ریسرچ سکالرز کی کاوشوں کا موضوع رہا ہے۔

یہ مضمون ناتمام رہے گا اگر گایتری اور وشوامتر نظموں کا ذکر نہ کیا جائے۔ گایتری نظم جب پہلی بار ۱۹۰۲ء میں شائع ہوئی تو اس کے ساتھ اقبال نے یہ نوٹ بھی لکھا تھا کہ سنسکرت کے لفظ "سویتور" کے لیے اردو میں موزوں لفظ موجود نہیں ہے۔ اردو میں اس کا ترجمہ آسمانوں سے پرے چمکنے والا وہ سورج ہے جو کہ ہمارے اس ارضی سورج کے لیے روشنی کا سرچشمہ یا منبع ہے۔ قدیم قوموں اور صوفیائے اسلام نے بھی خدا کے وجود کو "نور" کہا ہے۔ گایتری کا لفظی ترجمہ ہے: "اے نورِ ازلی! اے رخشندہ آفتاب! آ، ہم تیری عبادت کریں۔ آ، ہم کو اپنے نور سے خرد کی روشنی عطا کر!" ـــــ اور قرآن میں کہا گیا ہے: "اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ"۔

وشوامتر نظم 'جاوید نامہ' میں طبع ہوئی۔ وشوامتر کو اقبال نے عارف ہندی یا جہان دوست کہا ہے۔ اور وشوامتر کے نو (۹) فلسفیانہ نکات کا ترجمہ نظم میں قلم بند کیا ہے۔ جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ ہندو فلسفہ یعنی ویدانت کے لحاظ سے انسانی روح (اثرت

تیسیہ پتر / آتما) پرمیشور کا ذرّہ یا عکس ہے۔ اس لئے یہ لامتناہی ہے۔ باشعور، منوّر اور اَمر (لافانی) ہے، اور پاک و مقدس ہے۔ اس نظریہ سے متاثر اقبال کہتے ہیں کہ انسان کا مقام آسمان سے بھی برتر ہے۔ انسان کا احترام ہی اصل تہذیب ہے ؎

برتر از گردوں مقامِ آدم است
اصل تہذیب احترامِ آدم است

ترے علم و محبت کی نہیں ہے انتہا کوئی
نہیں ہے تجھ سے بڑھ کر سازِ ہستی میں نوا کوئی

نظم گایتری کے یہ بند ویدانت کی تعلیم کی عکاسی کرتے ہیں ؎

تیرا کمال ہستیٔ ہر جاندار میں
تیری نمود سلسلۂ کوہسار میں
ہر چیز کی حیات کا پروردگار تو
زائیدگانِ نور کا ہے تاجدار تو
نے ابتدا کوئی، نہ کوئی انتہا تری
آزادِ قیدِ اوّل و آخر ضیا تری

قائم یہ عنصروں کا تماشا تجھی سے ہے
ہر شے میں زندگی کا تقاضا تجھی سے ہے
ہر شے کو تیری جلوہ گری سے ثبات ہے
تیرا یہ سوز و ساز سراپا حیات ہے

[معلوم ہوتا ہے کہ مضمون نگار نے اپنی اس تحریر کے موضوع پر علامہ اقبال مرحوم کے فرزند جسٹس (ریٹائرڈ) ڈاکٹر جاوید اقبال سے بھی رہنمائی چاہی تھی، اس کا جو جواب انہیں ملا انہوں

(باقی ۶ پر)

نقطۂ نظر

سید عبدالرؤف

(دوسری اور آخری قسط)

"صَدَقَ اللّٰہُ العَظِیم"

علماء اور قرّاء کے لیے لمحۂ فکریہ

آئیے اب ہم مسئلہ زیرِ غور یعنی تلاوتِ قرآن کے اختتام پر "صَدَقَ اللّٰہُ العَظِیم" کہنے کا جائزہ مندرجہ بالا دلائل کی روشنی میں لیں۔ جیسا کہ سب کو معلوم ہے کہ تلاوتِ قرآن بالکل ایک دینی کام اور اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے، جس کا حکم اللہ تعالیٰ نے خود اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی دیا جن پر قرآن نازل ہوا تھا۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاتْلُ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْكَ مِنْ كِتَابِ رَبِّكَ (الکہف: ۲۷) یعنی آپ کے اوپر جو کتاب نازل کی گئی ہے اس کی تلاوت کیا کیجئے۔"

اسی طرح قرآن مجید میں مختلف پیرائے میں اُمتیوں کو نہ صرف تلاوتِ کتاب کا حکم دیا گیا ہے بلکہ اس میں حقِ تلاوت کی مزید تاکید کی گئی ہے۔ فرمانِ الٰہی ہے:

اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ یَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ (البقرۃ: ۱۲۱) یعنی "جن لوگوں کو ہم نے کتاب عطا فرمائی ہے وہ اس کی کماحقہٗ تلاوت کرتے ہیں۔"

ظاہر ہے اس حکم پر خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور جملہ مومن لوگ ہمیشہ پورے اہتمام اور احتیاط سے عمل کرتے رہے ہوں گے تاکہ حکمِ الٰہی کی بجاآوری پوری طرح ہو جائے اور یہ بالکل بدیہی اور لازمی امر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ نے اس حکم پر منشائے الٰہی کے مطابق من وعن عمل کیا ہوگا۔

تلاوتِ قرآن کے آداب کے سلسلے میں جو ہدایات ہمیں کتاب وسنّت کے مطالعہ سے ملتی ہیں ان میں سے قرآنی الفاظ میں ایک یہ ہے:

فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ (النحل: ۹۸) یعنی جب قرآن مجید پڑھا کرو تو اَعُوْذُ بِاللّٰهِ ... الخ پڑھکر شروع کیا کرو۔

چنانچہ احادیث میں وہ الفاظ بھی منقول ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن شریف پڑھنے سے پہلے کہا کرتے تھے۔ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ السَّمِیْعِ الْعَلِیْمِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ مِنْ ھَمْزِہٖ وَنَفْخِہٖ وَنَفْثِہٖ (ابوداؤد)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں اور نماز کے علاوہ جب بھی تلاوتِ قرآن شروع کرتے تو پہلے اَعُوْذُ بِاللّٰہِ.... الخ پڑھتے۔ تلاوت شروع کرتے وقت اعوذ باللہ کہنے کے علاوہ بھی تلاوتِ قرآن کے جو آداب ہیں وہ بڑی تفصیل سے کتاب وسنّت میں مذکور ہیں، مثلاً ترتیل یعنی ٹھہر ٹھہر کر پڑھنا جیسا کہ فرمانِ الٰہی ہے: وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلًا (المزمل: ۴) یعنی قرآن کو خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھیے۔ اسی طرح خوش الحانی سے پڑھنا، سمجھ کر پڑھنا وغیرہ۔ مگر اس کے باوجود سارے قرآن اور ذخیرۂ احادیث میں ادنیٰ سا اشارہ بھی اس بات کا نہیں ملتا کہ تلاوتِ قرآن کے اختتام پر کوئی خاص جملہ یا فقرہ مثلاً "صدق اللہ العظیم" کہا جائے جیسا کہ آج کل مستقل دستور ہو گیا ہے۔

اب جب کہ یہ ثابت ہو گیا کہ تلاوتِ قرآن کے اختتام پر شارع نے کوئی خاص لفظ کہنا یا جملہ پڑھنا مقرر نہیں کیا تو پھر ہمیں سوچنا چاہیے کہ اگر ہم اسوقت "صدق اللہ العظیم" کہیں گے تو کیا ہمارا یہ عمل فرمانِ الٰہی، لَا تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ (الحجرات: ۱) یعنی اللہ اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھو، کی مخالفت کا موجب تو نہیں ہوگا؟ اور کہیں ایسا تو نہیں کہ ہم اس عمل کی وجہ سے آیت:

"وَمَنْ یُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَہُ الْھُدٰی وَیَتَّبِعْ غَیْرَ سَبِیْلِ الْمُؤْمِنِیْنَ نُوَلِّہٖ مَا تَوَلّٰی وَنُصْلِہٖ جَھَنَّمَ (النساء: ۱۱۵)

یعنی جو شخص ہدایت ظاہر ہونے کے بعد رسول کے طریقہ کے خلاف کرے گا اور وہ طریقہ اختیار کرے گا جو مومنوں کا نہیں تو ہم اسی پر اس کو چلنے دیں گے اور اس کو دوزخ میں ڈال دیں گے جو بہت ہی بُری جگہ ہے"

میں جو وعید آئی ہے اُس کے مستوجب ہو جائیں؟

اگر ہم اس بدعت کو اپنائے رہے تو بحکم رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام، مَنْ عَمِلَ عَمَلًا

لَیْسَ عَلَیْہِ اَمْرُنَا فَھُوَ رَدٌّ (یعنی جو شخص دین میں کوئی ایسا کام کرے گا جس کا ہم نے حکم نہ دیا ہو یا جو ہمارے طریقہ کے مطابق نہ ہو تو وہ عمل عند اللہ مقبول نہیں ہوگا اور وہ شخص اللہ کی رحمت سے دور ہوگا)، ہم تلاوت کے اجر و ثواب اور رحمتِ الٰہی سے قطعاً محروم رہیں گے۔ اس لئے کہ تلاوت قرآن کے اختتام پر نہ تو ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے کہ ہم "صدق اللہ العظیم" کہا کریں اور نہ ہی یہ آپ کا طریقہ تھا۔ لہٰذا اس بدعت کو فوراً ترک کر کے اس کے خلاف علمِ جہاد بلند کرنا چاہیئے جیسا کہ حدیث میں حکم دیا گیا ہے۔ بس یہی ایک طریقہ ہے فرمانِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق اپنے ایمان کو محفوظ رکھنے کا۔ اس بدعت کی شناعت (خطرناکی) ایک واقعہ سے اور بھی واضح ہو جاتی ہے جو خود راقم الحروف کو ایک مرتبہ پیش آیا۔

کچھ عرصہ کا ذکر ہے کہ میں اسلامیات کی ایک کلاس میں لیکچر دے رہا تھا، دورانِ تدریس جب میں نے قرآن مجید کی ایک سورت پڑھی اور اس کے خاتمہ پر یہی جملہ "صدق اللہ العظیم" نہیں کہا تو ایک طالب علم نے کھڑے ہو کر کہا کہ "سر آپ نے ایک آیت چھوڑ دی ہے"۔ میں نے کہا کونسی آیت؟ تو جواب میں اُس نے کہا کہ "صدق اللہ العظیم"۔ یہ سُن کر مجھے اس بدعت کے خطرناک ہونے کا احساس اور بھی بڑھ گیا اور میں نے ارادہ کر لیا کہ میں اہلِ علم کی توجہ اس کی طرف ضرور مبذول کراؤں گا تاکہ اس بدعت کا انسداد ہو سکے۔

دیکھئے اس بدعت نے عوام الناس کو کس خطرناک مقام پر لا کھڑا کیا ہے اور وہ ہے "زیادۃ فی القرآن"، یعنی قرآن میں اضافہ۔ یہ جُرم کتنا سنگین ہے۔ درج ذیل حدیث سے اس پر روشنی پڑتی ہے جس کو حاکم وغیرہ نے روایت کیا ہے:

سِتَّۃٌ لَعَنْتُھُمْ وَلَعَنَھُمُ اللّٰہُ وَکُلُّ نَبِیٍّ مُجَابٌ الزَّائِدُ فِی کِتَابِ اللّٰہِ ..... الخ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چھ آدمی ایسے ہیں جن پر اللہ نے بھی لعنت کی ہے اور میں نے بھی۔ ان میں سب سے پہلے وہ شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کی کتاب میں زیادتی (اضافہ) کرتا ہے ..... الخ

گویا اس بدعت نے زیادۃ فی القرآن اور اس کے نتیجہ میں اللہ کی لعنت کا دروازہ کھول دیا ہے۔ اعاذنا اللہ منھا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم چونکہ بدعت اور عمل میں مشروع طریقے سے ذرا سا آگے بڑھنے اور اس میں ذرا سی بھی کمی بیشی کرنے کے وبال سے بخوبی واقف تھے اس لئے جب بھی وہ کسی معاملہ میں اس قسم کی کوتاہی دیکھتے تو فوراً ٹوکتے اور اس سے منع کرتے۔ مثلاً ایک مرتبہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کسی شخص کو دیکھا کہ اُس نے دعا مانگتے وقت ہاتھوں کو کندھوں سے اوپر اٹھا لیا تو فوراً کہا کہ یہ بدعت ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دعا مانگتے وقت ہاتھوں کو کندھوں سے اوپر نہیں لے جاتے تھے (مشکوٰۃ) اسی طرح انہوں نے ایک مرتبہ ایک شخص کو دیکھا کہ اُس نے چھینک لیتے وقت "اَلْحَمْدُ لِلّٰہ" کے بعد "وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہ" کہا تو آپ نے اس پر اعتراض کیا اور فرمایا کہ اس موقع پر یعنی چھینک آنے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو تعلیم دی ہے وہ یہ ہے "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی کُلِّ حَالٍ" کہا جائے اور فرمایا کہ "والسلام علیٰ رسول اللہ" ہم بھی کہتے ہیں مگر اس موقع پر نہیں۔ (مشکوٰۃ) دیکھئے باوجودیکہ "السلام علیٰ رسول اللہ" کہنا اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے تاہم چونکہ اس کو ایسے موقع پر کہا گیا جہاں اس کی تعلیم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں دی تھی اس لئے صحابیٔ رسولؐ نے اِس سے منع کیا۔ اس طرح ایک مرتبہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کچھ آدمیوں کو مسجد میں چاشت کی نماز پڑھنے کے لئے اکٹھے ہوتا دیکھا تو بولے "یہ بدعت ہے"۔ دیکھئے چاشت کی نماز صحیح احادیث سے ثابت ہے لیکن جب انہوں نے اس کے لئے اہتمام سے مسجد میں جمع ہوتے دیکھا تو اس کو بدعت بتایا، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اس قسم کا اہتمام نہیں ہوا کرتا تھا۔ لوگ چاشت کی نماز اپنے اپنے گھروں میں پڑھ لیا کرتے تھے۔ یہ حقیقت اس واقعہ سے بھی ثابت ہوتی ہے جو کہ حدیث کی کتاب "دارمی" میں مروی ہے۔ جس کا ترجمہ یہ ہے۔ (عبداللہ بن مسعود کا شاگرد کہتا ہے) ہم عبداللہ بن مسعود کے دروازے پر صبح کی نماز سے پہلے بیٹھا کرتے تھے جب وہ نکلتے تو ہم اُن کے ہمراہ مسجد جاتے تو ایک مرتبہ ابوموسیٰ اشعری آئے اور پوچھا کیا ابوعبدالرحمٰن گھر سے نکل چکے ہیں؟ ہم نے کہا نہیں، چنانچہ وہ بھی ہمارے ساتھ بیٹھ گئے، جب عبداللہ بن مسعود نکلے تو ہم بھی اُن کے ساتھ چلنے کے لئے کھڑے ہوئے۔ ابوموسیٰ نے کہا اے ابوعبدالرحمٰن! میں نے

مسجد میں اسوقت ایک نئی بات دیکھی ہے اَلحَمدُ لِلّٰہ اچھی ہی بات دیکھی ۔انہوں نے کہا وہ کیا ہے انہوں نے کہا آپ زندہ رہے تو ابھی دیکھ لیں گے ۔پھر کہا میں نے مسجد میں کچھ لوگوں کو دیکھا کہ وہ حلقے باندھے ہوئے نماز کا انتظار کر رہے ہیں اور ہر ایک حلقہ میں ایک شخص ہے اور اُن کے ہاتھوں میں کنکریاں ہیں وہ شخص کہتا ہے۔ سَو مرتبہ تکبیر کہو تو وہ سو مرتبہ تکبیر کہتے ہیں پھر وہ کہتا ہے سَو مرتبہ " لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ" کہو تو وہ سو مرتبہ " لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ " کہتے ہیں وہ پھر کہتا ہے سَو مرتبہ " سبحان اللّٰہ" کہو تو وہ سو مرتبہ " سبحان اللّٰہ " کہتے ہیں۔پھر عبداللہ بن مسعود نے کہا تم نے اُن سے کیا کہا۔ وہ بولے میں نے آپ کی رائے یا حکم کے انتظار میں اُن سے کچھ نہیں کہا۔اس پر اُنہوں (عبداللہ بن مسعود) نے کہا تم نے اُن سے یہ کیوں نہ کہا کہ تم اپنی برائیاں گنو، تمہاری نیکیوں کا میں ذمہ دار ہوں کہ وہ ضائع نہیں ہوں گی ۔پھر عبداللہ بن مسعود مسجد میں آئے اور اُن میں سے ایک حلقہ کے پاس جا کر کھڑے ہو کر فرمانے لگے : میں تمہیں یہ کیا کرتا ہوا دیکھ رہا ہوں۔ انہوں نے جواب دیا اے ابوعبدالرحمٰن ہم اِن کنکریوں سے " اللّٰہ اکبر" " لا اِلٰہَ الا اللّٰہ " اور " سبحان اللّٰہ" کو گن رہے ہیں ۔ اس پر وہ (عبداللہ بن مسعود) بولے "تم اپنی برائیاں گنو ، کیونکہ اس بات کا میں ذمہ لیتا ہوں کہ تمہاری نیکیاں ذرا بھی ضائع نہیں ہوں گی ، اے محمد (صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم) کے اُمتیو تم کتنا جلدی ہلاک ہو گئے حالانکہ ابھی تمہارے نبی صلی اللّٰہ علیہ وسلّم کے صحابہ کثرت سے موجود ہیں اور آپ (رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم) کے یہ کپڑے ہیں کہ ابھی پھٹے نہیں اور ان کے یہ برتن ہیں کہ ٹوٹے نہیں۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے تمہارا طریقہ محمد صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم کے طریقہ سے زیادہ صحیح ہے یا تم گمراہی کا دروازہ کھولنے والے ہو؟ وہ بولے اے ابوعبدالرحمٰن اللّٰہ کی قسم ہماری نیّت تو بھلائی کی ہی ہے۔ انہوں نے جواباً کہا "بہت سے بھلائی کی نیّت رکھنے والے ایسے ہیں جو بھلائی کو ہرگز نہیں پائیں گے ۔رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلّم نے ہمیں بتایا ہے کہ بہت سے ایسے لوگ ہوں گے جو قرآن پڑھتے ہونگے، لیکن قرآن اُن کے حلقوں سے نیچے نہیں اُترے گا اور میں نہیں کہہ سکتا شاید کہ اُن میں سے اکثر لوگ تم ہی میں سے ہوں ۔عمرو بن سلمہ (راوی) کہتے ہیں کہ ان لوگوں میں اکثر کو

ہم نے دیکھا کہ نہروان کے دن خارجیوں کے ساتھ مل کر ہم سے لڑ رہے تھے۔"

دیکھئے یہ لوگ صرف " لا الہ الا اللہ ، اللہ اکبر اور سبحان اللہ" ہی تو کہہ رہے تھے جو نیک عمل اور ایک اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے مگر انہوں نے اس میں یہ اضافہ کر لیا تھا کہ ہر شخص کے ہاتھ میں نئو نئو کنکریاں ہیں اور ان میں سے درمیان بیٹھا ہوا شخص کہتا کہ پڑھو تو وہ پڑھتے جس میں بظاہر کوئی حرج معلوم نہیں ہوتا مگر چونکہ عبادت میں اپنی رائے سے ذرا سی کوئی قید لگانے یا تخصیص کرنے سے پوری عبادت بدعت میں تبدیل ہو جاتی ہے اس لئے اس بدعت کا یہ برا اثر ہوا کہ اس کی وجہ سے وہ لوگ خارجی ہو گئے۔

اختتام تلاوت پر "صدق اللہ العظیم" کہنا یقیناً تلاوت قرآن کی عبادت میں زیادتی ہے جس کی وجہ سے یہ بدعت میں تبدیل ہو کر بجائے ثواب کے عذاب کا موجب بن جائے گی۔ اعاذنا اللہ منہ۔

تلاوت قرآن مجید کے اختتام پر "صدق اللہ العظیم" یا " آمنت باللہ" یا اس قسم کا کوئی اور جملہ کہنے کو مباح، بھی مان لیا جائے تو اس پر اصرار اور اس کا التزام یعنی اسپر ہمیشگی کرنا جس سے انجان لوگ اس کو ضروری اور سنت سمجھنے لگ جائیں جیسا کہ آج کل ہو رہا ہے (جس کا ثبوت مذکورہ بالا واقعہ ہے جو میرے ساتھ پیش آیا جب کہ میں نے ایک سورت کی تلاوت کے بعد 'صدق اللہ العظیم' نہیں کہا تو ایک طالب علم یہ سمجھا کہ میں نے کوئی آیت چھوڑ دی۔) تو ایسی صورت میں 'مباح' بلکہ 'مستحب' امور بھی ناجائز اور حرام ہو جاتے ہیں جیسا کہ علماء کرام نے تصریح کی ہے۔ دیکھئے 'شامی' میں نماز کے بعد سجدۂ شکر ادا کرنے کی ممانعت کی وجہ یہ لکھی ہے۔

وَسَجْدَةُ الشُّكْرِ مُسْتَحَبَّةٌ بِهِ يُفْتَى لٰكِنَّهَا نُكِرَهُ بَعْدَ الصَّلٰوةِ لِاَنَّ الْجُمْلَةَ يُعْتَقَدُ فِيْهَا سُنَّةً اَوْ وَاجِبَةً وَكُلُّ مُبَاحٍ يُؤَدِّيْ اِلَيْهِ فَمَكْرُوْهٌ قَوْلُهُ فَمَكْرُوْهُ الظَّاهِرُ اَنَّهَا تَحْرِيْمِيَّةٌ لِاَنَّهُ يُدْخِلُ فِي الدِّيْنِ مَا لَيْسَ مِنْهُ ..... الخ یعنی باوجودیکہ سجدۂ شکر مطابق قول مفتی بہ مستحب ہے پھر بھی عوام کا عقیدہ خراب ہو جانے کے ڈر

سے نماز کے بعد سجدۂ شکر کو مکروہ تحریمی کہا ہے، نیز بطور قاعدہ کلیہ یہ بتلا دیا کہ ہر مباح (جائز) عمل جس کی وجہ سے اس عمل کے متعلق عام لوگوں کا اعتقاد یا نظریہ خراب ہوتا ہو تو وہ مکروہ تحریمی یعنی حرام و ناجائز ہو جاتا ہے۔

اس اصول کا ذکر "رد المختار" جلد اوّل میں ان الفاظ سے کیا گیا ہے:

وَقَدْ صَرَّحَ بَعْضُ عُلَمَائِنَا وَغَيْرُهُمْ بِكَرَاهَةِ الْمُصَافَحَةِ الْمُعْتَادَةِ عَقِبَ الصَّلَوَاتِ مَعَ اَنَّ الْمُصَافَحَةَ سُنَّةٌ وَمَا ذَاكَ اِلَّا لِكَوْنِهَا لَمْ تُؤْثَرْ فِي خُصُوْصِ هٰذَا الْمَوْضِعِ فَالْمُوَاظَبَةُ عَلَيْهَا تُوْهِمُ الْعَوَامَ بِاَنَّهَا سُنَّةٌ فِيْهِ ..... (ترجمہ) ہمارے بعض علماء اور دوسروں نے اس کی تصریح کی ہے کہ نمازوں کے بعد مصافحہ کرنا جس کا آج کل رواج ہے مکروہ ہے حالانکہ مصافحہ کرنا ایک سنّت کام ہے لیکن خاص اس موقع (یعنی نماز کے بعد) پر کرنا ثابت نہیں ہے۔ اس لئے یہ مکروہ ہے کیونکہ اس پر ہمیشگی کرنے سے عام لوگوں کو یہ خیال ہوتا ہے کہ نماز کے بعد خاص طور پر مصافحہ کرنا سنّت ہے۔

حاصلِ کلام یہ کہ کتاب وسُنّت کے مندرجہ بالا دلائل کی رُو سے تلاوت قرآن کے اختتام پر "صدق اللہ العظیم" یا دیگر کسی قسم کے الفاظ کہنا صریحاً بدعت اور گمراہی ہے۔ لہٰذا اس کا ترک کرنا اور ترک کرانا ایک اہم دینی فریضہ ہے اور اس سے چشم پوشی ایک اہم دینی کام میں کوتاہی کے مترادف ہے۔ اس لئے میں امید کرتا ہوں کہ اہل علم حضرات عموماً اور علماء خصوصاً اس سلسلہ میں اپنی پوری کوشش سے اس بدعت کو مٹا کر عند اللہ ماجور ہوں گے۔ اور جس طرح ہم بہت سے دیگر اعمال میں شارع کے بتائے ہوئے طریقہ میں کمی و بیشی نہیں کرتے اس معاملہ میں بھی مسنون طریقہ سے تجاوز نہیں کریں گے۔ مثلاً اذان کے شروع میں صحابہ کرام کے زمانہ سے لے کر آج تک کسی جُملہ کا اضافہ نہیں کیا جاتا کیونکہ اس کی تعلیم ہمیں نہیں دی گئی اسی طرح بحکم الٰہی سواری پر بیٹھتے وقت بِسْمِ اللهِ ۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ، سُبْحَانَ الَّذِيْ سَخَّرَ لَنَا الخ کہا جاتا ہے

مگر سواری کے اختتام پر کچھ نہیں کہا جاتا کیوں ؟ صرف اس لئے نا کہ اس موقع پہ کوئی خاص دعا یا ذکر کی تعلیم شارع نے نہیں دی ۔

الغرض، کتاب وسُنّت کی تعلیم یہ ہے کہ جو عمل ہمیں بتایا گیا ہو اس کو بالکل اُسی طرح بجا لائیں اس میں کوئی اضافہ نہ کریں ۔ نہ اس کے شروع میں نہ آخر میں ۔ ورنہ ہم آیت فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَنْ تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ (النور - ۶۳) ترجمہ: "جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ کی مخالفت کرتے ہیں ان کو ڈرنا چاہیئے ۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ کسی فتنہ میں مبتلا ہو جائیں یا اُن پر کوئی عذاب نازل ہو جائے" کی وعید سے نہیں بچ سکتے ۔

وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغُ إِنْ أُرِيدُ إِلَّا الْإِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ وَ مَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ !!!

بقیہ : ہدایت القرآن

(۲) وہ والدین جن کے حصّے اگرچہ مقرر ہیں، لیکن ان کو مدد کی زیادہ ضرورت ہے ۔

(۳) وہ رشتہ دار جن کے حصّے مقرر نہیں ہیں لیکن ان کو مدد کی زیادہ ضرورت ہے ۔ اور اندیشہ ہے کہ تقسیم کے وقت ان کا لحاظ نہ کیا جائے گا ۔ ان سب لوگوں کے لیے چونکہ وصیت ہے اس بناء پر یہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے کہ آیت میں وصیت کا حکم حصّہ مقرر کرنے سے پہلے کے لیے تھا، اب اسکی بالکلیہ ضرورت نہیں ہے ۔ اسی طرح یہ حکم تہائی مال کے اندر ہے، اس سے زیادہ میں نہیں ہے ۔

لہ یہ اصلاح وصیت میں ردّ و بدل کرنا نہیں ہے، بلکہ حق تلفی و جانب داری کی اصلاح ہے، جس کی اجازت ہے ۔

"جنّت کا شجر ممنوعہ"

معین قریشی اور مولانا اخلاق حسین قاسمی کے جواب میں

مدیر تکبیر محمد صلاح الدّین کی توضیحات

ماہنامہ "حکمتِ قرآن" کے ستمبر ۱۹۸۹ء کے شمارے میں شیخ محمد معین قریشی صاحب کا ایک طویل خط اور اسی سلسلہ میں یاد دہانی کے دو خطوط شائع ہوئے ہیں، جو انہوں نے میرے نام لکھے اور ۲۸ اکتوبر ۱۹۸۸ء کو پاکستان نیشنل ورکرز فیڈریشن کی ایک تقریب میں میری تقریر سے متعلق چند سوالات کا جواب نہ پا کر انہوں نے یہ خطوط ۱۰ ماہ کے بعد ماہنامہ "حکمت قرآن" کو اشاعت کے لئے بھیج دیئے۔

میری نظر سے یہ شمارہ ۱۴ ستمبر کو گزرا، ۱۵ ستمبر کو میں نے ٹیلی فون پر "حکمت قرآن" کے دفتر سے رابطہ قائم کیا۔ محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب، ڈاکٹر ابصار احمد صاحب اور حافظ عاکف سعید صاحب میں سے کوئی بھی اتفاق سے وہاں موجود نہ تھا۔ ایک معاون کو (جن کا نام میرے ذہن میں محفوظ نہیں رہا) یہ اطلاع دی کہ میں آج ہی ایک خط ارسال کر رہا ہوں، پہلے اسے شائع کر دیجئے۔ پھر تفصیلی جواب بھیجوں گا، اگر یہ خط بھی آپ کو تاخیر سے ملے تو صرف یہ مختصر اعلان شائع کر دیجئے کہ "مدیر تکبیر محمد صلاح الدین کی جانب سے شیخ محمد معین قریشی کے خطوط کا جواب آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمایئے۔" یہ اعلان ٹیلی فون ہی پر لکھوا دیا گیا اور مجھے بتایا گیا تھا کہ یہ شائع ہو جائے گا۔

یکم نومبر کو مجھے اکتوبر کا شمارہ دیکھنے کا اتفاق ہوا تو اعلان اور خط دونوں ہی غائب تھے۔ فون پر حافظ عاکف سعید صاحب سے بات کی تو انہوں نے بتایا کہ آپ کا گذشتہ پیغام بھی تاخیر سے ملا، پرچہ پریس جانے کے لئے تیار تھا، اس لئے اعلان بھی

شامل اشاعت نہ ہوسکا۔ میں نے دریافت کیا کہ اب نومبر کے شمارے کی تیاری کس مرحلے میں ہے تو انہوں نے بتایا کہ پرچہ تقریباً تیار ہے' آپ کچھ بھیجنا چاہیں تو انتہائی اختصار کے ساتھ بھیجیں - بصورت دیگر آپ کا مضمون نومبر کی بجائے دسمبر کے شمارے میں شائع ہو سکے گا-

میری مشکل یہ ہے کہ ۸ صفحات پر مشتمل خطوط اور ان میں اٹھائے گئے سوالات تو جناب معین قریشی صاحب ہی کے پیش کردہ تھے کہ اکتوبر کے شمارے میں مولانا اخلاق حسین قاسمی صاحب کے اضافی مضمون کا ردّہ اس پر مزید چڑھ گیا ہے۔ مولانا محترم نے' جو میرے پرانے کرم فرما ہیں' میرے جواب کا انتظار کئے بغیر اور وہ سب کچھ درست سمجھتے ہوئے جو معین قریشی صاحب نے مجھ سے منسوب کیا ہے ایک پورا مضمون لکھ ڈالا اور میرا موقف یا بیان صفائی دیکھے بغیر نہ صرف خود تنقید و تبصرہ کا حق ادا فرمایا ہے بلکہ علمائے پاکستان کو بھی دعوت دے ڈالی ہے کہ وہ میری "تفسیر بالرائے" پر اپنا فتوٰی صادر فرمائیں - میں اس "عالمانہ" طرز عمل پر کیا تبصرہ کروں؟

مجھے اعتراف ہے کہ یہ ساری صورت حال میری جانب سے وضاحت میں تاخیر کی بناء پر ہوئی لیکن سببِ تاخیر کو لازماً گریز اور فرار پر محمول کرنا بھی تو صریح زیادتی ہے - اس کے ہزار اسبابِ ہو سکتے ہیں - سب سے بڑا سبب میری شدید مصروفیات' مسلسل سفر' انتخابات کی گہما گہمی اور نت نئے مقدمات کی بھر مار کے علاوہ وفاقی شرعی عدالت میں دائر کردہ خود میرا مقدمہ تھا - ان مصروفیات کے باوجود میں نے ایک مختصر سے خط کے ذریعہ جناب معین قریشی کو مطلع کر دیا تھا کہ مجھے اپنی تقریر کے سلسلے میں ایک تفسیر کا حوالہ تلاش کرنا ہے - اس کی مہلت ملتے ہی انشاء اللہ آپ کو مفصل جواب لکھوں گا - افسوس کہ اس چند سطری خط کی نقل میرے پاس موجود نہیں کیونکہ وہ تیار ہی نہیں کی گئی تھی' لیکن میرے مدیر منتظم جناب ثروت جمال اصمعی صاحب نے چونکہ اسے پڑھا تھا اس لئے وہ اس کے عینی گواہ ہیں - اس خط کی اطلاع میں نے تقریب کے مہتمم جناب خلیل الرحمٰن صاحب کو بھی دے دی تھی' اس لئے وہ بھی اس کی تصدیق کر سکتے ہیں - ان کے ذریعہ معین قریشی

صاحب کی طرف سے تقاضے اور میری جانب سے مہلت طلبی کا سلسلہ بھی جاری رہا ہے اس لئے وہ اس صورت حال کی وضاحت بخوبی کر سکتے ہیں -

اس پس منظر کے بعد اب انتہائی اختصار کے ساتھ بنیادی سوالات کے سلسلہ میں چند باتیں عرض کرنا چاہوں گا -

۱ - میں نے اپنی تقریر میں شجرِ ممنوعہ کا ذکر کرتے ہوئے کوئی حتمی رائے ظاہر نہیں کی تھی بلکہ یہ کہا تھا کہ "بعض مفسرین نے خیال ظاہر کیا ہے کہ حضرت آدمؑ کو جس درخت کے قریب نہ جانے کی ہدایت کی گئی تھی اس کے پھل میں نشہ تھا" میں نے خلیل الرحمٰن صاحب سے تقریر کا ٹیپ بھی حاصل کر لیا ہے ' لیکن اس میں ابتدائی حصہ کسی فنی خرابی کے باعث ٹیپ نہیں ہو سکا - حضرت فاطمہؓ ' حضرت علیؓ اور اصحابِ صفہ سے متعلق تقریر کا حصہ ٹیپ میں موجود ہے اور معین قریشی صاحب اس سے اپنی عبارت کا موازنہ کر کے خود ہی اندازہ کر سکتے ہیں کہ ان کے حافظہ اور فہم و ادراک نے کہاں کہاں ٹھوکریں کھائی ہیں - شجر ممنوعہ کے بارے میں "بعض مفسرین" کا حوالہ صدر تقریب قطب الدین عزیز صاحب اور تقریب کے مہتمم خلیل الرحمٰن صاحب کے علاوہ درجنوں حاضرین کے حافظے میں محفوظ ہے - یہ میری اپنی رائے ہوتی یا اور "ایجادِ بندہ" کے ضمن میں آتی تو یقیناً معین قریشی صاحب اور مولانا اخلاق حسین قاسمی صاحب کو طنز و استہزاء کے تیر برسانے کا پورا حق حاصل ہوتا اور علماء کرام بھی میرے گردن زدنی ہونے کے فتوے صادر کر سکتے تھے - ان دونوں حضرات سے اور قارئین "حکمت قرآن" سے میری درخواست ہے کہ وہ تفسیر قرطبی جلد اول صفحہ ۳۰۵ مطبوعہ دارالقلم ' قاہرہ میں سورۃ البقرۃ کی آیت ۳۵ (شجر ممنوعہ) کی تشریح میں مختلف مفسرین کی آراء ملاحظہ فرمائیں - ان مفسرین میں سے کسی نے اس درخت کو انگور کا ' کسی نے سنبل کا ' کسی نے انجیر کا ' کسی نے گندم کا اور کسی نے زیتون کا بتایا ہے اور یہ رائے بھی موجود ہے کہ اس بارے میں کوئی صحیح حدیث نہیں ' جو کچھ کہا جاتا ہے ' تخمین و ظن ہے - ساتویں صدی ہجری کے مفسر عبدالحفیظ عبدالحق ابن عطیہ اندلسی کا کہنا ہے کہ "بس یہ عقیدہ رکھنا چاہئے کہ آدم کو اللہ نے ایک درخت سے منع کیا تھا ' انہوں نے نافرمانی کی اور اس کا پھل

کھالیا جس کی انہیں سزا ملی"- قرطبی نے سلسلہ وار جن مفسرین کی آراء درج کی ہیں ان میں پہلی یہ ہے:

"حضرت عبداللہ ابن عباسؓ (صحابی) حضرت سعید ابن جبیر (تابعی) اور جعدہ ابن جبیرہ (تابعی) کا قول ہے کہ یہ درخت انگور کا تھا اور اسی لئے ہم پر شراب (خمر) حرام کی گئی ہے"-

میرا اشارہ انہی مفسرین اور انہی آراء کی جانب تھا- اسے خود مجھ سے کیسے منسوب کیا جاسکتا ہے؟

جناب معین قریشی نے اپنے خط میں چار امور کی سند طلب کی ہے-

۱- درخت میں نشے کی خاصیت تھی-

۲- خداوند تعالیٰ کی طرف سے انسان کو سب سے پہلی ہدایت نشے سے پرہیز کے بارے میں دی گئی تھی-

۳- آدم کی برہنگی فحاشی کا نتیجہ تھی جو درخت کا پھل چکھنے سے ان پر طاری ہو گئی تھی-

۴- خداوند قدوس نے آدم کو دنیا میں بھیجتے وقت منشیات سے پرہیز کی تلقین کی تھی-

ان سوالات کا جواب دینے سے قبل میں معین قریشی صاحب اور قارئین "حکمت قرآن" کو سورۃ الاعراف آیت ۱۹ تا ۲۷ اور سورۃ طٰہٰ آیت ۱۱۵ تا ۱۲۲ کا بغور مطالعہ کرنے کا مشورہ دوں گا- تفہیم القرآن میں آیات کے تراجم یہ ہیں-

۱- "اور اے آدم، تو اور تیری بیوی، دونوں اس جنت میں رہو، جہاں جس چیز کو تمہارا جی چاہے کھاؤ، مگر اس درخت کے پاس نہ پھٹکنا ورنہ ظالموں میں سے ہو جاؤ گے-

پھر شیطان نے ان کو بہکایا تا کہ ان کی شرمگاہیں جو ایک دوسرے سے چھپائی گئی تھیں ان کے سامنے کھول دے- اس نے ان سے کہا "تمہارے رب نے تمہیں جو اس درخت سے روکا ہے اس کی وجہ اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ کہیں تم فرشتے نہ بن جاؤ، یا تمہیں ہمیشگی کی زندگی حاصل نہ ہو جائے"- اور اس نے قسم کھا کر ان سے کہا کہ میں تمہارا سچا خیر خواہ ہوں- اس طرح دھوکا دے کر وہ ان دونوں کو رفتہ رفتہ اپنے ڈھب پر لے آیا- آخر کار جب انہوں نے اس درخت کا مزہ

چکھا تو ان کے ستر ایک دوسرے کے سامنے کھل گئے اور وہ اپنے جسموں کو جنت کے پتوں سے ڈھانکنے لگے - تب ان کے رب نے انہیں پکارا " کیا میں نے تمہیں اس درخت سے نہ روکا تھا اور نہ کہا تھا کہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے ؟ " دونوں بول اٹھے " اے رب ' ہم نے اپنے اوپر ستم کیا ' اب اگر تو نے ہم سے در گزر نہ فرمایا اور رحم نہ کیا تو یقیناً ہم تباہ ہو جائیں گے " - فرمایا ' " اتر جاؤ ' تم ایک دوسرے کے دشمن ہو اور تمہارے لئے ایک خاص مدت تک زمین ہی میں جائے قرار اور سامانِ زیست ہے " - اور فرمایا " وہیں تم کو جینا اور وہیں مرنا ہے اور اسی میں سے تم کو آخر کار نکالا جائے گا -

اے اولادِ آدم ' ہم نے تم پر لباس نازل کیا ہے کہ تمہارے جسم کے قابلِ شرم حصوں کو ڈھانکنے اور تمہارے لئے جسم کی حفاظت اور زینت کا ذریعہ بھی ہو ' اور بہترین لباس تقوٰی کا لباس ہے - یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے ' شاید کہ لوگ اس سے سبق لیں - اے بنی آدم ' ایسا نہ ہو کہ شیطان تمہیں پھر اسی طرح فتنے میں مبتلا کر دے جس طرح اس نے تمہارے والدین کو جنت سے نکلوایا تھا اور ان کے لباس ان پر سے اتروا دیئے تھے تا کہ ان کی شرمگاہیں ایک دوسرے کے سامنے کھول دے - وہ اور اس کے ساتھی تمہیں ایسی جگہ سے دیکھتے ہیں جہاں سے تم انہیں نہیں دیکھ سکتے - ان شیاطین کو ہم نے ان لوگوں کا سرپرست بنا دیا ہے جو ایمان نہیں لاتے " -

۲- " ہم نے اس سے پہلے آدم کو ایک حکم دیا تھا ' مگر وہ بھول گیا اور ہم نے اس میں عزم نہ پایا - یاد کرو وہ وقت جبکہ ہم نے فرشتوں سے کہا تھا کہ آدم کو سجدہ کرو - وہ سب تو سجدہ کر گئے ' مگر ایک ابلیس تھا کہ انکار کر بیٹھا - اس پر ہم نے آدم سے کہا کہ " دیکھو ' یہ تمہارا اور تمہاری بیوی کا دشمن ہے ' ایسا نہ ہو کہ یہ تمہیں جنت سے نکلوا دے اور تم مصیبت میں پڑ جاؤ - یہاں تو تمہیں یہ آسائشیں حاصل ہیں کہ نہ بھوکے ننگے رہتے ہو ' نہ پیاس اور دھوپ تمہیں ستاتی ہے " - لیکن شیطان نے اس کو پھسلایا ' کہنے لگا " آدم ' بتاؤں تمہیں وہ درخت جس سے ابدی زندگی اور لازوال سلطنت حاصل ہوتی ہے ؟ " آخر کار دونوں (میاں بیوی) اس درخت کا پھل کھا گئے - نتیجہ یہ ہوا کہ فوراً ہی ان کے ستر ایک دوسرے کے آگے کھل

گئے اور لگے دونوں اپنے آپ کو جنت کے پتوں سے ڈھانکنے - آدم نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور راہ راست سے بھٹک گیا - پھر اس کے رب نے اسے بر گزیدہ کیا اور اس کی توبہ قبول کر لی - اور اسے ہدایت بخشی" -

ان آیات کے مطالعے سے جو حقائق واضح ہوتے ہیں وہ یہ ہیں -

۱- درخت میں نشے کی خاصیت کے بارے میں حتمی طور پر کچھ نہیں کہا جا سکتا - اس سلسلہ میں بعض مفسرین کی آراء کا حوالہ دیا جا چکا ہے - لیکن ان آیات میں یہ بات واضح ہے کہ " آدمؑ اور حوّا نے درخت کا مزہ چکھا تو ان کے ستر ایک دوسرے کے سامنے کھل گئے اور وہ اپنے جسموں کو جنت کے پتوں سے ڈھانکنے لگے " - اللہ تعالیٰ کی سنت یہ رہی ہے کہ اس نے اشیاء کو حلال و حرام، جائز و ناجائز اور مباح و ممنوع ان کی صفات اور انسان کے لئے ان کے نفع و ضرر ہی کی بنیاد پر ٹھہرایا ہے - اس سنت اللہ کی روشنی میں یہ قیاس خلافِ عقل و ایمان نہیں ہے کہ اس ممنوعہ درخت میں کوئی ایسی خاصیت ہو گی کہ اس کا پھل کھاتے ہی انسان پر ایسی کیفیت طاری ہو جائے کہ وہ بے لباس ہو جائے اور پھر احساسِ برہنگی کے تحت اپنے جسم کو ڈھانپنے لگے - آدمؑ کی زندگی سے اسباب و علل کے سلسلہ میں جکڑی ہوئی انسانی زندگی کا آغاز ہو چکا تھا اس لئے اس واقعہ کو اسی تناظر میں دیکھا جا سکتا ہے - معین قریشی صاحب کا یہ فقرہ کہ " کیا خوب! آدم کو نشئی ثابت کر دیا " میرے نزدیک بہت گستاخانہ اور افسوسناک حرکت ہے -

نشئی ہونے کا مطلب نشے کا عادی ہونا یعنی فعلِ نشہ کا بار بار ارتکاب کرنا ہے - حضرت آدمؑ اور حضرت حوّا جس کیفیت سے گزرے وہ ایک لغزش یا سہو کے ضمن میں آتا ہے - اس کا احساس ہوتے ہی انہوں نے رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا والی مغفرت کی دعا مانگی، اپنے رب کے حضور گڑگڑائے اور پھر ان کی زندگی میں ایسی لغزش کا کہیں کوئی شائبہ نظر نہیں آتا - آدمؑ کی سرشت میں خطا کا امکان رکھا گیا تھا اور پھر ترکِ خطا کی توفیق بھی انہیں عطا کی گئی تھی - عصمتِ انبیاء کا مفہوم یہ نہیں ہے کہ ان کی بشریت سے خطا کا امکان ساقط کر دیا جاتا ہے بلکہ یہ عصمت وحی کے ذریعۂ علم و ہدایت کی حفاظت و ضمانت پر مبنی ہوتی ہے - کوئی خطا سہواً سرزد ہو جائے

یا اس کا امکان پیدا ہو جائے تو اللہ تعالےٰ کبھی مغفرت کے ذریعہ اور کبھی بذریعہ وحی بر وقت مطلع کر کے اس کا تدارک فرما دیتا ہے - حضرت موسیٰؑ کے ہاتھوں ایک قتل ہو گیا' ان کے رب نے ان کی مغفرت فرما دی - اب کیا ہم انہیں "قاتل" کہہ کر پکاریں گے ؟ حضورؐ اکرم ایک مقدمہ کا فیصلہ یہودی کے خلاف اور مسلمان کے حق میں کرنے والے تھے کہ وحی کے ذریعہ ان پر حقیقت کھول دی گئی اور وہ غلط فیصلے سے بچا لئے گئے ' واقعہ افک اور جنگ بدر کے قیدیوں کے معاملہ میں بھی اللہ نے وحی کے ذریعہ اپنے نبیؐ کی رہنمائی فرمائی اور حضرت عبد اللہ ابن اُمّ مکتوم کی جانب سے متوجہ ہونے کی ضرورت و اہمیت آپ پر واضح کی۔ نبی وحی کے تحفظ کی بناء پر معصوم عن الخطاء ہے - اپنی بشریت کے باعث وہ امکانِ خطا رکھتا ہے لیکن اس کی خطا کی فوری اصلاح بذریعہ وحی کر دی جاتی ہے - اس کی کوئی خطا' لغزش یا سہو اس کی ذات کے ساتھ چند لمحوں سے زیادہ نہیں ٹھہر سکتے - اپنی اسی صفت توبہ و استغفار کے باعث انسان فرشتوں سے بہتر ہے جو نہ امکانِ خطا رکھتے ہیں نہ اختیارِ اصلاح' ان کی نیکی جبلّی ہے' جب کہ انسان کی نیکی ارادہ و اختیار کے تابع اور نبی کا کردار وحی کی زیرِ ہدایت و حفاظت -

حضرت آدمؑ پر گزرنے والی کیفیت کو ہم کوئی نام دیں' وہ بہر حال ایک لغزش تھی اور ان کی توبہ اور خدا کی طرف سے ان کی مغفرت کے بعد وہ معصوم ہیں۔ ان پر "بنشئی" جیسی پھبتی کسنا نہایت افسوسناک جسارت ہے -

۲- پہلی ہدایت درخت کے پاس نہ جانے کی دی گئی تھی اور اس کی خلاف ورزی کا جو نتیجہ سامنے آیا، اس سے واضح ہوتا ہے کہ اللہ مومن کو "غافل" نہیں دیکھنا چاہتا - یہاں غفلت کو اگر محض حکم عدولی کے معنی ہی میں لیا جائے تب بھی اس کی عملی صورت یہی بنی کہ ایک ممنوعہ درخت کا ایسا پھل کھا لیا گیا جس نے حالتِ برہنگی پر پہنچا دیا' یہ پھل نہ کھایا جاتا تو صورت یقیناً مختلف ہوتی - اسے "اطاعت" کا نام دیجئے یا "پرہیز" کا' نتیجہ ایک ہی برآمد ہوتا ہے -

۳- برہنگی اور فحاشی میں کیا تعلق ہے اس کا جواب مذکورہ آیات میں تفصیل سے موجود ہے - کسی اضافے کی ضرورت نہیں - قرآن نے جنت سے اپنے کام کا

آغاز کرنے والے شیطان کا بنیادی کام فحاشی پھیلانا ہی بتایا ہے - ملاحظہ ہو سورۃ البقرہ آیت ۲۶۸ اور سورۃ النور آیت ۲۱ وغیرہ

لیکن خدارا اس سے یہ نتیجہ اخذ نہ کر لیجئے گا کہ میں معاذ اللہ حضرت آدمؑ پر "فحاشی" پھیلانے کا الزام لگا رہا ہوں - ان کی برہنگی اور توبہ کا ذکر آیات میں وضاحت سے موجود ہے اور شیطان کا یہ مشن بھی اس کے ساتھ واضح کر دیا گیا کہ وہ فحاشی پھیلانا چاہتا ہے - حضرت آدمؑ پر حملہ آور ہوا' مگر اللہ نے انہیں بچا لیا اور توبہ کی توفیق بخشی جبکہ شیطان کا مشن قیامت تک جاری رہے گا اور وہ برہنگی ہی کے ذریعہ فحاشی کا سلسلہ جاری رکھے ہوئے ہے -

۴ - "اے بنی آدم' ایسا نہ ہو..... سے لے کر..... شرمگاہیں ایک دوسرے کے سامنے کھولے" تک کی عبارت غور سے دیکھئے - جس "فتنہ" کی طرف متوجہ کیا جا رہا ہے وہ وہی واقعہ ہے جو حضرت آدم اور حوا پر جنت میں گزر چکا ہے - اب بنی آدم اس دنیا میں ہے' جنت میں نہیں' پھر یہ فتنہ کہاں برپا ہو گا؟ یہاں کونسا "شجر ممنوعہ" ہے؟ یہاں بھی یہ اسی طرح برپا ہو گا' جیسے حکم خداوندی کی خلاف ورزی پر جنت میں برپا ہوا تھا - آج اگر حلال و حرام اور جائز و ناجائز کی حدود کو توڑا جائے گا' ممنوع کو مباح بنایا جائے گا تو نتیجہ ویسا ہی نکلے گا - یہاں انسان پر وہ حالتِ برہنگی جو فحاشی کی زد میں آتی ہے بالعموم اسی وقت طاری ہوتی ہے' جب وہ نشہ کی حالت میں ہو' اسی لئے شریعت نے نشہ طاری کرنے اور حواس معطل کرنے والی تمام اشیاء کو ممنوع قرار دیا ہے - نشہ صرف آخری نبیؐ کی شریعت ہی میں نہیں' تمام انبیاءؑ کی لائی ہوئی شریعت میں حرام قرار دیا گیا ہے - اللہ کی سنت کا تسلسل یہ باور کرنے کی گنجائش تو پیدا کرتا ہے کہ انسان کے ہوش و حواس قائم و برقرار رکھنے اور انہیں مختل یا معطل ہونے سے بچانے کے لئے اللہ نے جن چیزوں کا استعمال سب نبیوں کی شریعت میں ممنوع قرار دیا' ان کا علم حضرت آدمؑ کو بھی ضرور ہو گا' لیکن یہ قیاس کرنا مشکل ہے کہ وَعَلَّمَ آدَمَ الْاَسْمَاءَ کُلَّھَا (اللہ نے آدم کو ساری چیزوں کے نام سکھائے) کی رو سے جب آدمؑ نے براہ راست اللہ تعالیٰ سے ساری اشیاء کے نام اور ان کی صفات کا علم سیکھا' وہ منشیات کی مضرت رسانی اور ان سے متعلق اللہ تعالیٰ کے احکام سے بے خبر رہا ہو گا -

معین قریشی صاحب نے مزید تین امور کی وضاحت چاہی ہے۔
۱۔ حضورؐ نے سب سے پہلے محنت کشوں کو دعوتِ اسلام دی۔
۲۔ حضورؐ نے حضرت علیؓ سے اپنی صاحبزادی کا نکاح اس لئے کیا کہ ایک محنت کش کو سوشل اسٹیٹس ملے۔
۳۔ اصحابِ صُفّہ محنت کش تھے۔

معین قریشی صاحب سب سے پہلے یہ بات ذہن میں رکھیں کہ میری تقریر کا موضوع "اسلام اور محنت کی عظمت" تھا۔ تاریخ کے واقعات کسی مخصوص موضوع کے تحت اور کسی خاص سیاق و سباق میں بیان کئے جائیں، تو ان کے بعض پہلو زیادہ نمایاں ہو جاتے ہیں، لیکن اس سے دوسرے پہلوؤں کی نفی نہیں ہوتی۔ مثلاً "حضورؐ اکرم، بحیثیت سپہ سالار" کے موضوع پر کوئی تحریر یا تقریر آپؐ کی سیرت کے اس پہلو کو بطور خاص اجاگر کرے تو دوسرے پہلوؤں کا پس منظر میں رہ جانا ان کی نفی کے مترادف نہیں ہوتا۔

۱۔ وہ بال کی کھال نکالنے کی بجائے اگر صاف ذہن سے مکی زندگی کا مطالعہ فرمائیں گے تو وہاں کفار اور مشرکین کی غلامی میں جکڑے ہوئے حضرت بلالؓ، حضرت صہیبؓ رومی اور وہ دوسرے غلام جن کی گردنیں حضرت ابو بکرؓ نے اپنے مال سے چھڑائیں، حضورؐ کی خصوصی توجہ کا مرکز بنے نظر آئیں گے، ان سب کا ذکر "محنت کشوں" کے نام سے کرنا کون سی قابلِ گرفت بات ہے؟

۲۔ حضرت علیؓ کی پوری زندگی فقر و فاقہ اور محنت و مشقت کا عملی عنوان رکھتی ہے۔ حضورؐ بلاشبہ اپنی سب سے چہیتی بیٹی ان کے زہد و تقویٰ، ایمان میں سبقت اور قرابت داری کی وجہ سے ان کے نکاح میں دیتے ہیں، لیکن محنت کشوں کے کسی اجتماع میں اس "محنت کش" کی مثال پیش کرتے ہوئے اگر یہ بتایا جائے کہ اللہ کے رسولؐ کی نظر میں اس کے پیشے اور ذریعۂ معاش کی کیا قدر و قیمت تھی۔ حضرت علیؓ کی عسرت و تنگدستی اور محنت کشی نبیؐ کے ساتھ عظیم نسبت اور رشتے میں مانع نہ ہوئی۔ اور اس نے کس طرح انہیں شرفِ دامادی عطا کر کے ایک اونچا سوشل اسٹیٹس بھی دے دیا تو اس میں کون سی بات خلافِ واقعہ یا تاریخی اعتبار سے غلط یا

گمراہ کن ہو گئی ؟ اس کی ایک اور مثال حضرت موسیٰؑ کا حضرت شعیبؑ کی بیٹی سے نکاح ہے - یہ محنت کی عظمت کی مثالیں ہیں - آخر اس پہلو پر توجہ دلانے میں قباحت کیا ہے ؟

۳ - اصحابِ صفّہ محنت کش تھے یا نہیں ' اس کی تحقیق کے لئے معین قریشی صاحب کسی مستند کتاب کا مطالعہ فرمالیں یا طالب ہاشمی صاحب کی اسی موضوع پر کتاب پڑھ لیں تو وہاں تفصیل سے اس کا جواب مل جائے گا - ان کا یہ استدلال خوب ہے کہ "یونیورسٹی میں طلبہ ہوتے ہیں نہ کہ محنت کش" آج امریکہ ' برطانیہ اور یورپ کی اکثر یونیورسٹیوں میں نصف سے زائد طلبہ ' طلبہ بھی ہوتے ہیں اور محنت کش بھی ' کیا یہ کوئی اجتماعِ ضدّین والا معاملہ ہے ؟ وہ خود ہی مولانا شبلی کے حوالہ سے بتاتے ہیں کہ " ان میں سے ایک ٹولی دن کو جنگل میں لکڑیاں چن کر لاتی اور بیچ باچ کر اپنے بھائیوں کے لئے کچھ کھانا مہیا کرتی" میں حیران ہوں کہ اصحابِ صفّہ کو محنت کش قرار دینا ان کے ساتھ زیادتی کیسے ہو گئی - میں تو خود ان کا پیرو کار رہا ہوں اور اس نسبت پر ہمیشہ فخر محسوس کرتا رہا ہوں - ۱۹۴۸ء سے ۱۹۵۸ء تک پورے دس سال دن بھر محنت مزدوری کرنا اور رات کو پڑھنا میرا معمول رہا ہے اگر مجھ جیسے ناکارہ اور بے ہمت آدمی میں محنت کشی اور طالب علمی کے درمیان کوئی رشتہ قائم رہ سکتا ہے تو دربارِ رسالت کے ان عظیم پروانوں کو اس میں کیا دشواری پیش آسکتی ہے ؟

شیخ محمد معین قریشی صاحب خاصے پڑھے لکھے اور مہذّب و شائستہ انسان ہیں - مجھے نہیں معلوم انہیں اپنے سوالات کے لئے طنز و تضحیک کا پیرایۂ اظہار اختیار کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی - ان کا محرک اگر واقعی علمی جستجو ہے تو میں توقع رکھتا ہوں کہ میری یہ وضاحت ان کی تشفی کے لئے کافی ہو گی - انہیں مزید کوئی وضاحت مطلوب ہو تو وہ کراچی میں مقیم ہیں ' مجھ سے تبادلۂ خیال فرما سکتے ہیں - مجھ پر تحریری کام کا اتنا بوجھ ہے کہ میں اس نوعیت کی بحثوں کا سلسلہ دراز کرنے کا متحمل نہیں ہو سکتا -

مولانا اخلاق حسین قاسمی صاحب نے مجھ پر تفسیر بالرائے کا الزام عائد کرنے

کے علاوہ اپنے مضمون کے آخر میں "عورت کی حکمرانی" کا قصہ بھی چھیڑ دیا ہے اور اس کی حمایت کرنے والے علماء دیوبند (جن میں وہ خود بھی شامل ہیں) کو مولانا محمد قاسم نانوتوی کی "ناخلف اولاد" قرار دینے پر میری گرفت فرمائی ہے۔ میں زبان کی اس سختی پر ان سے معذرت خواہ ہوں مگر وہ اس امرِ واقعہ پر غور فرمائیں کہ دیوبند، اس کی معروف شاخوں ڈابھیل، اکوڑہ خٹک، جامعہ اشرفیہ لاہور، مدرسہ قاسم العلوم ملتان، دارالعلوم کورنگی اور جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن یا کسی اور چھوٹے بڑے دارالعلوم، ہم مسلک، ندوۃ العلماء لکھنؤ، الازہر قاہرہ اور سعودی عرب میں شیخ عبداللہ بن باز کے دارالافتاء سمیت وہ کون سا دینی ادارہ ہے، جس نے متفقہ طور پر عورت کی حکمرانی کو ناجائز نہ ٹھہرایا ہو؟ - دیوبند کے دارالافتاء نے تو بیگم بھوپال کے سلسلہ میں مولانا اشرف علی تھانویؒ کے فتوے کے باوجود اپنے دارالافتاء سے دو بار عورت کی سربراہی کے ناجائز ہونے کا فتویٰ جاری کیا - ممتاز بریلوی اور اہل حدیث علماء کا فتویٰ بھی یہی ہے - اس "اجماع امت" کے مقابلے میں دو چار حضرات کی آراء کا کیا مقام رہ جاتا ہے؟ اللہ نے جس عورت کو مصلے کی امامت کا بھی اہل قرار نہیں دیا، اسے ملک کی امامت سونپنے کا تصور چند افراد ہی کے ذہنوں میں ابھر سکتا ہے - مسلمانوں کا اجتماعی، سیاسی و دینی شعور اسے کبھی قبول نہیں کر سکتا -

اپنی اس وضاحت کے باوجود میں اپنے ہر امکانی سہو پر اپنے رب سے مغفرت، توفیقِ توبہ اور اصلاح و ہدایت کا طلب گار ہوں اور کسی کی دل آزاری ہوئی ہو تو اس سے معذرت خواہ ہوں -

محمد صلاح الدین

۲۳ نومبر ۸۹ء

کراچی

LEARN & TEACH QURAN

پروفیسر حافظ احمد یار

سورۃ البقرہ (۴)

[ملاحظہ! کتاب میں حوالہ کے لیے قطعہ بندی (پیراگرافنگ) کا ایک خاص طریقہ اختیار کیا گیا ہے جس کی وضاحت مقدمہ (حکمت قرآن فروری ۸۹ء) میں کردی گئی تھی۔ جن حضرات کی نظر سے وہ شمارہ نہیں گزرا۔ ان کے لیے دوبارہ اس کی وضاحت کی جاتی ہے۔ [قطعہ بندی کے لیے سب سے پہلا دائیں طرف والا ہندسہ سورۃ کا نمبر شمار ظاہر کرتا ہے۔ اس کے بعد اگلا دائیں طرف والا قطعہ نمبر (جو اس سورۃ میں سے زیر مطالعہ ہے) کو ظاہر کرتا ہے۔ اس کے بعد تیسرا نمبر بحث اللغہ کے لیے ۱، بحث الاعراب کے لیے ۲، الرسم کے لیے ۳ اور الضبط کے لیے ۴ لکھا گیا ہے مثلاً ۱:۳:۲ کا مطلب ہے سورۃ الفاتحہ کے تیسرے قطعہ میں بحث الاعراب]۔

۲:۴ أُولَٰٓئِكَ عَلَىٰ هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ ۖ وَأُولَٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝٥

۲:۴:۱ اللغۃ

۲:۴:۱(۱) [أُولَٰٓئِكَ] اسم اشارہ بعید برائے جمع مذکر ومؤنث (بمعنی "وہ سب" اس کی اصل " أُولَاءِ " ہے۔ پھر اشارہ قریب کے لئے اس سے پہلے " ھا " لگا کر " ھٰٓؤُلَاءِ " بنا لیتے ہیں جو بمعنی "یہ سب" مذکر مؤنث کے لئے مشترک ہے۔ اور بعید کے لئے آخر پر " كَ " لگاتے ہیں (جسے نحوی " کافِ خطاب کہتے ہیں۔ ڈکشنری میں یہ (اولئِك) آپ کو "ال ی" مادہ میں ملے گا اور بعض اسے مادہ "اول" کے تحت بیان کرتے ہیں۔ اس کا ان مادّوں سے بننے والے افعال سے کوئی

تعلق نہیں صرف اس کے حروف کی ابجدی ترتیب کے لئے اسے ان مادوں کے تحت بیان کیا جاتا ہے ۔ اسمائے اشارہ پر ایک اجمالی سی بحث اس سے پہلے البقرہ ۲: (۲:۱:۱) کے تحت بھی گزر چکی ہے ۔

[عَلٰى] حرف الجر ہے۔ اس کے معنی اور استعمالات پر (۱:۶:۱(۳)) میں بات ہوچکی ہے (حکمتِ قرآن اگست ۸۹ء، ص۳۶) یہاں اس کا ترجمہ "پر" ہوگا.

۲:۴:۱(۲) [هُدًى] کی لغوی بحث اسی سورت کے شروع میں (هدی للمتقین) میں (۲:۱:۱(۴)) اور سورۃ الفاتحہ میں (اھدنا) کے ضمن میں (۱:۵:۱(۱)) گزر چکی ہے۔ هُدًى کی دوسری شکل " هدایۃ " باملاء " ہدایت "، بمعنی " راہ دکھانا " اردو میں مستعمل ہے۔ اس لئے بیشتر مترجمین نے اس کا ترجمہ " ہدایت " ہی کیا ہے۔ بعض نے اس کا ترجمہ " راہ " ، " ٹھیک راہ " ، " سیدھا راستہ " ، " راستہ " بھی کیا ہے جو مفہوم اور محاورہ کے لحاظ سے درست ہے۔ تاہم جب " ھدی " ہی کے مادہ اور اشتقاق کا (اور ہم معنی) لفظ " ہدایت " اردو زبان میں اپنے اصل عربی معنوں کے ساتھ مستعمل ہے تو اسے اختیار کرنا زیادہ موزوں ہے ۔

۲:۴:۱(۳) [مِنْ] حرف الجرّ ہے اور مواقع استعمال کے لحاظ سے یہ متعدد معنی دیتا ہے مثلاً حسب موقع اس کا ترجمہ (۱) سے (۲) میں سے (۳) کے مقابلے پر (۴) کے بارے میں (۵) کے عوض (۶) کے پاس سے (۷) کی طرف سے (۸) کچھ بھی (۹) کوئی بھی (۱۰) کی وجہ سے (۱۱) کا، کے، کی سے کیا جاتا ہے۔ اور کبھی یہ بعض دوسرے حروف جارہ کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے مثلاً بِ = کے ساتھ، علی = اوپر، عَنْ = سے، کی طرف سے، فی = میں، اور عندَ (ظرف بمعنی کے ہاں۔ کے پاس) ۔ " مِنْ " کے بارے میں اس سے پہلے بحث استعاذہ (حکمتِ قرآن جون ۸۹ء ص۴۹) اور سورۃ البقرہ کی آیت ۲ کے ضمن میں (۲:۲:۱(۴)) بھی بات ہوچکی ہے ۔ چاہیں تو ایک نظر اس پر بھی ڈال لیجئے ۔ یہاں (آیت زیر مطالعہ) " مِنْ "، کا ترجمہ " کی طرف سے " یا " کی " کے ساتھ ہو سکتا ہے ۔

۲:۴:۱(۴) [رَبِّهِمْ] یہ ربّ + ھم (ضمیر غائبین بمعنی " ان کا ") سے مرکب

لغات و اعرابِ قرآن (۹)

پروفیسر حافظ احمد یار

سورة البقرة (۴)

(ملاحظہ! کتاب میں حوالہ کے لیے قطعہ بندی (پیراگرافنگ) کا ایک خاص طریقہ اختیار کیا گیا ہے جس کی وضاحت مقدمہ (حکمت قرآن فروری ۸۹ء) میں کر دی گئی تھی۔ جن حضرات کی نظر سے وہ شمارہ نہیں گزرا۔ ان کے لیے دوبارہ اس کی وضاحت کی جاتی ہے۔ [قطعہ بندی کے لیے سب سے پہلا دائیں طرف والا ہندسہ سورۃ کا نمبر شمار ظاہر کرتا ہے۔ اس کے بعد اگلا دائیں طرف والا قطعہ نمبر (جو اس سورۃ میں سے زیر مطالعہ ہے) کو ظاہر کرتا ہے۔ اس کے بعد تیسرا نمبر بحث اللغہ کے لیے ۱، بحث الاعراب کے لیے ۲، الرسم کے لیے ۳ اور الضبط کے لیے ۴ لکھا گیا ہے مثلاً ۱:۳:۲ کا مطلب ہے سورۃ الفاتحہ کے تیسرے قطعہ میں بحث الاعراب]۔

۲:۴ أُولَٰئِكَ عَلَىٰ هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ⑤

۲:۴:۱ اللغة

۲:۴:۱(۱) [أُولَٰئِكَ] اسم اشارہ لبعید برائے جمع مذکر و مؤنث (بمعنی "وہ سب" اس کی اصل "أُولَاءِ" ہے۔ پھر اشارہ قریب کے لئے اس سے پہلے "ھا" لگا کر "ھٰؤُلَاءِ" بنا لیتے ہیں جو بمعنی "یہ سب" مذکر مؤنث کے لئے مشترک ہے۔ اور بعید کے لئے آخر پر "كَ" لگاتے ہیں (جسے نحوی "کافِ خطاب" کہتے ہیں۔ ڈکشنری میں یہ (اولئك) آپ کو "ال ی" مادہ میں ملے گا اور بعض اسے مادہ "اول" کے تحت بیان کرتے ہیں۔ اس کا ان مادوں سے بننے والے افعال سے کوئی

تعلق نہیں صرف اس کے حروف کی ابجدی ترتیب کے لئے اسے ان مادوں کے تحت بیان کیا جاتا ہے ۔ اسمائے اشارہ پر ایک اجمالی سی بحث اس سے پہلے البقرہ ۲: ۲ (۲ : ۱ : ۱) کے تحت بھی گزر چکی ہے ۔

[عَلٰی] حرف الجر ہے۔ اس کے معنی اور استعمالات پر (۱ : ۶ : ۱(۳)) میں بات ہو چکی ہے (حکمتِ قرآن اگست ۸۹ء، ص۳۶) یہاں اس کا ترجمہ "پر" ہوگا۔

۲ : ۴ : ۱ (۲) [هُدًی] کی لغوی بحث اسی سورت کے شروع میں (ھدی للمتقین) میں (۲ : ۱ : ۱ (۴)) اور سورۃ الفاتحہ میں (اھدنا) کے ضمن میں (۱ : ۵ : ۱(۱)) گزر چکی ہے ۔ ھُدًی کی دوسری شکل " ھدایۃ " بالملا " ہدایت "، بمعنی " راہ دکھانا " اردو میں مستعمل ہے ۔ اس لئے بیشتر مترجمین نے اس کا ترجمہ " ہدایت " ہی کیا ہے ۔ بعض نے اس کا ترجمہ " راہ " ، " ٹھیک راہ " ، " سیدھا راستہ " ، " راستہ " بھی کیا ہے جو مفہوم اور محاورہ کے لحاظ سے درست ہے ۔ تاہم جب " ھدی " ہی کے مادہ اور اشتقاق کا (اور ہم معنی) لفظ " ہدایت " اردو زبان میں اپنے اصل عربی معنوں کے ساتھ مستعمل ہے تو اسے اختیار کرنا زیادہ موزوں ہے ۔

۲ : ۴ : ۱ (۳) [مِنْ] حرف الجرّ ہے اور مواقع استعمال کے لحاظ سے یہ متعدد معنی دیتا ہے مثلاً حسب موقع اس کا ترجمہ (۱) سے (۲) میں سے (۳) کے مقابلے پر (۴) کے بارے میں (۵) کے عوض (۶) کے پاس سے (۷) کی طرف سے (۸) کچھ بھی (۹) کوئی بھی (۱۰) کی وجہ سے (۱۱) کا ، کے ، کی سے کیا جاتا ہے ۔ اور کبھی یہ بعض دوسرے حروف جارہ کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے مثلاً بِ = کے ساتھ ، علی = اوپر ، عَنْ = سے ، کی طرف سے ، فی = میں ، اور عِندَ (ظرف بمعنی کے ہاں ۔ کے پاس) ۔ " مِنْ " کے بارے میں اس سے پہلے بحث استعاذہ (حکمتِ قرآن جون ۸۹ء ص ۹۴) اور سورۃ البقرہ کی آیت ۳ کے ضمن میں (۲ : ۲ : ۱(۴)) بھی بات ہو چکی ہے ۔ چاہیں تو ایک نظر اس پر بھی ڈال لیجئے ۔ یہاں (آیت زیر مطالعہ) " مِنْ " کا ترجمہ " کی طرف سے " یا " کی " کے ساتھ ہو سکتا ہے ۔

۲ : ۴ : ۱ (۴) [رَبِّهِمْ] یہ ربّ + ھم (ضمیر غائبین بمعنی " ان کا ") سے مرکب

ہے۔ لفظ " ربّ " کے مادہ، اشتقاق اور معنی پر سورۃ الفاتحہ کے شروع میں بات ہو چکی ہے (۱:۲:۱ (۳)) اس لفظ (رب) کا ترجمہ بیشتر مترجمین نے " پروردگار " کیا ہے (جو ہمارے نزدیک نہایت موزوں ترجمہ ہے) اگرچہ بعض نے " ربّ " ہی رہنے دیا ہے۔ کیونکہ یہ لفظ اردو میں اپنے اصل دونوں معنی (پالنہار اور مالک) میں مستعمل ہے۔ مزید وضاحت کے لئے دیکھئے حکمت قرآن جولائی ۸۹ء صہ ۲۹-۲۸

"علی" ، "ھدی" ، "مِنْ" اور " ربّ " کے مذکورہ بالا معانی کو ملحوظ رکھتے ہوئے بعض مترجمین نے " علی ھدی من ربھم " کا ترجمہ " اپنے پروردگار/رب کی طرف سے ہدایت پر (ہیں)" کیا ہے۔ جب کہ بعض نے " اپنے پروردگار کے راستے پر/کی راہ پر/کے سیدھے راستے پر" کیا ہے جو لفظ " ھدی " کا تفسیری ترجمہ ہے۔ بعض نے " پائی ہے راہ اپنے رب کی " اور بعض نے "ٹھیک راہ پر جو ان کے پروردگار کی طرف سے ملی ہے " کے ساتھ ترجمہ کیا ہے جو تفسیر اور مفہوم کے لحاظ سے درست سہی مگر الفاظِ عبارت (نص) سے بہت ہٹ گیا ہے۔ جن حضرات نے " ھدی " کا ترجمہ " راہ " ، " راستہ " ، " سیدھا راستہ " کیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ " ھدی " سے مراد یہی ہے بلکہ قرآن مجید میں " ھدی مستقیم " (الحج : ۶۷) بمعنی " صراط مستقیم " استعمال ہوا ہے۔

[وَاُولٰٓئِكَ] واو عاطفہ (بمعنی " اور ") + اولٰئک (وہ سب) کا مرکب ہے۔ اولٰئکَ پر ابھی اوپر بات ہوئی ہے۔

۱:۴:۲ (۵) [هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ] اس میں " ھم " ضمیر فصل ہے۔ جس کا مناسب اردو ترجمہ " وہ ہی " ، " وہی تو " ہو سکتا ہے۔ اسی لئے بیشتر مترجمین نے " اولٰئکَ ھُمْ " کا ترجمہ " یہ لوگ ہی " ، " وہی لوگ " ، " یہی لوگ " یا " انہوں نے ہی " سے کیا ہے۔

" المفلحون " کا مادہ " ف ل ح " اور وزن (لام تعریف کے بغیر) " مُفْعِلُوْنَ " ہے۔ اس مادہ سے فعل ثلاثی مجرد فلَح ...... یفلَح فَلْحًا (باب

فتح سے) بمعنی ...... کو کاٹنا ، پھاڑنا اور فلِح یَفلَح فَلَحاً (باب سمع سے) بمعنی "کٹنا، پھٹنا (خصوصاً ہونٹ کا) آتا ہے۔ تاہم قرآن کریم میں اس سے فعل ثلاثی مجرد یا اس کا کوئی مشتق استعمال نہیں ہوا۔

قرآن کریم میں اس مادہ سے صرف باب اِفعال کے فعل (ماضی اور مضارع) کے ستائیس صیغے (۲۷ جگہ) اور مشتق (صرف اسم الفاعل) تیرہ (۱۳) جگہ آئے ہیں۔ باب افعال (أفلح یُفلِحِ اِفلاحاً) سے یہ فعل ہمیشہ لازم آتا ہے اور اس کے معنی "کامیاب ہونا، مراد پالینا" ہوتے ہیں۔ اور ان معنوں کے لئے اس کا مصدرِ قیاسی "افلاح" استعمال نہیں ہوتا بلکہ اس کی بجائے "فلاح" (کامیابی) بطور اسم و مصدر استعمال ہوتا ہے ۔۔۔ یہ بھی خیال رہے کہ اس فعل (أفلح) کا مطلب صرف "نجات پانا" یا محض "چھٹکارا حاصل کرنا" نہیں ہے۔ بلکہ اس کے معنی ہیں: "پوری پوری کامیابی حاصل کرنا یعنی پوری مراد پالینا"۔ اور ان ہی معنوں کے لحاظ سے اس کا اردو ترجمہ "فلاح پانا" بھی کیا جاتا ہے۔ یعنی ایک طرح سے یہ لفظ اردو میں اپنے اصل عربی مفہوم کے ساتھ متعارف بلکہ متداول اور رائج ہے۔

قرآن کریم میں یہ لفظ عموماً "آخرت کی فلاح" کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ اگرچہ ایک دو جگہ "دنیوی" فلاح کے لئے بھی آیا ہے جس کا بیان اپنی جگہ آئے گا۔ یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ آخرت میں "فلاح" (بامراد ہونے) کا یہ قرآنی تصور دوسرے مذاہب کے سعادتِ اُخروی کے تصورات مثلاً "نجات"، "رستگاری"، "مکتی"، "نروان" یا SALVATION وغیرہ کے تصور سے کہیں زیادہ بلند اور وسیع ہے۔

"المفلحون" مادہ "فلح" سے باب اِفعال کا صیغہ اسم الفاعل برائے جمع مذکر ہے اور "فلاح" اور "أفلَحَ" کے مذکورہ بالا معنوں کو سامنے رکھتے ہوئے اردو مترجمین نے اس کا ترجمہ "مراد کو پہنچنے والے"، "پورے کامیاب"، "مرادیں پانے والے" اور "پورے بامراد" کیا ہے۔ بعض نے "چھٹکارا پانے

والے" اور "نجات پانے والے" بھی کیا ہے جو اصل لفظ "فلاح" کا جزوی مفہوم ہے۔ اسی طرح بعض نے اس (المفلحون) کا ترجمہ "مراد کو پہنچے" اور "مرادیں پائیں گے" سے کیا ہے جو محاورہ اور مفہوم کے لحاظ سے درست ہے تاہم یہ "مفلحون" سے زیادہ "یُفْلِحون" کا ترجمہ بنتا ہے۔ یعنی بلا وجہ "لفظ" سے دور جانے والی بات ضرور ہے۔

۲:۴:۲ الاعراب

(اولٰئک علی ھدی من ربھم واولٰئک ھم المفلحون)

زیرِ مطالعہ آیۂ کریمہ دو اسمیہ جملوں پر مشتمل ہے جو واو عاطفہ سے ملائے گئے ہیں۔ پہلا جملہ "اولٰئک علی ھدی من ربھم" اور دوسرا "اولٰئک ھم المفلحون" ہے۔ پہلے جملہ میں [اولٰئک] مبتدأ ہے اور [علی ھدًی] جار مجرور مل کر قائم مقام خبر ہے یا یوں کہیئے کہ اصل خبر (مثلاً ثابتون = قائم ہیں) محذوف ہے گویا در اصل "اولٰئک ثابتون علی ھدی" ہے۔ اس طرح "علی ھدی" جار مجرور اس خبر محذوف "ثابتون" سے متعلق ہے یعنی "قائم ہیں ہدایت پر"۔ [مِنْ رَبِّھِمْ] میں "مِن" حرف الجر ہے اور "ربھم" مضاف (رب) + مضاف الیہ (ھم) مل کر مجرور ہے۔ جر کی علامت یا اس کا اثر "ربِّ" کی بِ یعنی باء کی کسرہ (ـِ) میں ظاہر ہے۔ یہ پورا مرکّب جاری (من ربھم) "ھُدًی" کی (جو نکرہ موصوفہ ہے) کی صفت یعنی اس کا بیان ہے۔ "یعنی اس ہدایت پر/یا اس سیدھی راہ پر جو ان کے رب کی طرف سے ہے" اور اگر "ھدًی" کی تنکیر (نکرہ ہونا) برائے تعظیم مراد لیں تو ترجمہ "ایک بڑی ہدایت پر" بھی ہو سکتا ہے۔ اس صورت میں "مِن" بیانیہ ہے کیونکہ اس کے ذریعے "ھدی" کی وضاحت کی گئی ہے۔ گویا یہ اس سوال کا جواب ہے کہ وہ کونسی یا کیسی یا کس قسم کی ہدایت پر ہیں؟ اور پھر بیانیہ ہوتے ہوئے بھی یہاں "مِنْ" کے دو معنی ہو سکتے ہیں (۱) کسی غایت کی ابتدا (الابتداء الغایۃ) کے معنی

لیں تو اردو میں " کی طرف سے ، کی جانب سے " کے ساتھ ترجمہ ہوگا اور (۲) اگر " اضافت " (نکرہ) کے معنوں میں لیں تو اردو ترجمہ " کی یا کا " سے ہوگا (خاتم من الفضۃ کی طرح) اور یہ اضافت صرف " نسبت " کے معنوں میں ہے " جزویت " کے معنوں میں نہیں یعنی " مِنْ " تبعیضیہ (برائے جزویت) نہیں ہے ــ (۲) اور اگر اس " مِن " کو تبعیضیہ سمجھ لیں تو بھی " ربھم " سے پہلے ایک محذوف ماننا پڑے گا یعنی " مِن (دینِ) ربھم " کیونکہ " ھدی " رب کا جزء (کچھ حصہ) تو نہیں ہے۔ تاہم یہ (جزویت والی) بحث صرف بعض نحویوں نے کی ہے ۔ کسی اردو مترجم نے اس کو ملحوظ نہیں رکھا اور غالباً اس کی ضرورت بھی نہیں ہے ـــ اوپر (۲ : ۴ : ۱ (۴) میں) جو ترجمے دئے گئے ہیں ان کو دیکھ کر آپ سمجھ سکتے ہیں کہ کس مترجم نے الفاظ کے ترجمہ اور معنی کے علاوہ ترکیبِ نحوی میں کس چیز کو سامنے رکھ کر ترجمہ کیا ہے ؟ [وَ اُولٰٓئِكَ] میں واو عاطفہ (جو یہاں دو جملوں کو ایک دوسرے پر عطف کرتی (ملاتی) ہے)۔ اور " اولٰٓئِكَ " مبتدأ ہے ۔ لھٰذا اسے مرفوع سمجھا جائے گا (مبنی ہونے کے باعث اس میں کوئی علامتِ اعراب نہیں ہے)۔ [ھُمْ] ضمیر فصل ہے جو عموماً معرف باللام خبر پر آتی ہے جس کا اردو ترجمہ " ہی " سے ہو سکتا ہے یعنی " اولٰئك ھم " = وہ ہی لوگ یا وہی لوگ " ـــ اور " ھم " مبتدأ اور [المفلحون] خبر معرفہ (معرف باللام) ہو کر یہ پورا جملہ اسمیہ (ھم المفلحون) " اولٰئك " کی خبر بھی ہو سکتا ہے ـ دونوں صورتوں میں خبر کے معرفہ ہونے کی بنا پر ترجمہ میں " تو " کا اضافہ ہو سکتا ہے۔ یعنی " وہی لوگ تو " ـ....... اس طرح یہ دونوں جملے (آیت ۵ ـ زیرِ مطالعہ) " الذین یومنون بالغیب ...... یوقنون " تک (آیت ۳ و ۴) کی خبر ہیں یعنی ایک جملہ خبرِ اوّل اور دوسرا جملہ خبرِ ثانی ہے ۔ چونکہ " الذین " کے بعد (صلہ کی) بات لمبی ہو گئی لھٰذا اس کے لئے خبر کے طور پر مستقل جملہ اسمیہ لایا گیا ہے ـــ گویا ہر ایک " اولٰئك " میں ـ آیت ۳ و ۴ میں مذکورہ صفات والے

لوگوں کی طرف اشارہ ہے ۔

۲ : ۴ : ۳ الرسم

(اولئك على هدى من ربهم واولئك هم المفلحون)

[اولئك] کی کتابت رسمِ عثمانی اور عام رسم قیاسی میں یکساں ہے ۔بلکہ یہ ان کلمات میں سے ہے جن کی املاء ، عربی املاء پر رسمِ عثمانی کے اثرات کا ایک مظہر ہے۔ اگر نطق اور تلفظ کے مطابق لکھا جائے تو اس کی املاء " اُلَائِكَ " ہونی چاہیئے مگر اس میں ابتدائی همزہ (جو بصورت الف لکھا جاتا ہے) کے بعد ایک" واؤ " لکھی جاتی ہے جو پڑھی نہیں جاتی ۔علماءِ رسم نے اس کی دو توجیہات بیان کی ہیں ۔ (۱) ایک تو یہ کہ اسے " اليك " سے متمیز کرنے کے لئے زائد " و "لکھی گئی (جیسے "عُمَرُ" اور " عَمْرو " میں فرق کرنے کے لئے مؤخر الذکر کے آخر پر " و " لکھ دیتے ہیں ۔" عمر اور عمرو ") ۔کیونکہ شروع میں جب قرآن مجید کی (بلکہ عام عربی کی بھی) کتابت نقاط و حرکات کے بغیر ہوتی تھی تو ان دو لفظوں " اولئك اور اليك " میں تمیز کی علامت یہی " و " ہوتی تھی ۔ (۲) دوسری وجہ یہ بیان ہوئی ہے کہ ابتدائی دور (ظہورِ اسلام سے کچھ پہلے اور کچھ عرصہ بعد) میں عربی املاء میں ضمہ (ـُ) کے لئے حرفِ مضموم کے بعد " و " ، فتحہ (ـَ) کے لئے حرفِ مفتوح کے بعد " ا " اور کسرہ (ـِ) کے لئے حرفِ مکسور کے بعد " ی " لکھنے کا رواج تھا[1] ۔ تاہم اس کے استعمال میں پختگی اور باضابطہ یکسانیت پیدا نہیں ہوئی تھی ۔بعض کلمات تو اس قاعدہ کے تحت لکھ لئے جاتے تھے ۔ ورنہ اکثر اس قاعدہ کا اطلاق مفقود ہوتا تھا ۔اس حرکات بذریعہ حروف علّت " (ا ، و ، ی) ظاہر کرنے کی متعدد یادگاریں قرآنی کلمات کے رسمِ عثمانی میں موجود ہیں ۔ان میں سے ایک یہ " اولئك " ہے ۔

---

[1] جیسے انگریزی میں حروفِ علّت (VOWELS یعنی a, o, i, e, u) سے حرکات کا کام لیا جاتا ہے ۔

اس قسم کے مزید کلمات سے ہم اپنے موقع پر دوچار ہونگے۔

" اولئك " کے رسم (طریق املاء) کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ اس میں "ل" کے بعد "الف" محذوف ہے یعنی لکھا نہیں جاتا مگر پڑھا "لا" ضرور جاتا ہے۔ تیسری قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ "ل" اور "ئك" کے درمیان همزه کے لئے ایک نبرہ (دندانہ) لکھا جاتا ہے۔ یہ "دندانہ" دراصل "ی" کا "دندانہ" ہے۔ کیونکہ همزه متوسطہ مکسورہ جب الف ممدودہ کے بعد آئے تو وہ "ی" پر لکھا جاتا ہے۔ تاہم یہاں (عموماً) اس دندانہ کے نیچے "ی" کے دو نقطے نہیں ڈالے جاتے البتہ "ضبط" میں "ء" کو اس دندانہ کے نیچے لکھتے ہیں تاکہ "یاء (ی)" سے التباس ہی نہ ہو مثلاً "اولٰئك"۔

[علی] کا رسم (املاء) نطق کے مطابق ہوتا تو اسے "عَلا" لکھتے مگر اسے "الف" کی بجائے "ی" سے لکھتے ہیں (مگر یہ پڑھا الف ہی جاتا ہے اور اسے "الف مقصورہ" کہتے ہیں)۔ جب یہ مجرور (بالجر) ضمیروں سے پہلے آتا ہے تو اسے "ی" ہی پڑھتے ہیں۔ جیسے ابھی آپ نے "علیھم" (سورۃ الفاتحہ) میں دیکھا تھا۔ یہی صورت "اِلٰی" کی ہے۔ "علی" کا عام عربی املاء میں اس طرح (علی) لکھا جانا بھی عام عربی املاء پر رسم عثمانی کے اثرات کا ایک مظہر ہے۔

[ھدی] کی املاء (رسم الخط) کے بارے میں اسی سورت کے آغاز میں "ھدی للمتقین" کے ضمن میں بات ہو چکی ہے۔

[من ربھم] کی املاء بھی رسم معتاد کے مطابق ہی ہے اس میں "من" کو الگ مگر "ربھم" کو ملا کر لکھا جاتا ہے۔

[اولئك ھم المفلحون] میں سے "اولئك" کے رسم پر ابھی بات ہو چکی ہے۔ "ھم" اور "المفلحون" دو الگ الگ کلمات کی شکل میں لکھے جاتے ہیں یعنی ان کا بھی رسم عثمانی اور رسم معتاد یکساں ہی ہے۔

۲ : ۴ : ۴ الضبط

(اولٰئک علی ھدی من ربھم واولٰئک ھم المفلحون)

آیت زیرِ مطالعہ کے کلمات کے ضبط میں حسب ذیل اختلافات قابلِ ذکر ہیں:

(۱) ھمزۃ الوصل کی علامت ڈالنا یا نہ ڈالنا اور ڈالنے کی صورت میں اس کی شکل (صـ ، •) کا اختلاف، یہ بیان ہو چکا ہے کہ یہ علامت صرف عرب اور افریقی ممالک کے مصاحف میں مستعمل ہے۔ اس اختلاف کا مظہر کلمہ " المفلحون " کا ضبط ہوگا۔

(۲) ھمزۃ القطع کی علامت قطع مختلف شکلوں (ء ، ؏ ، ﻉ ، ٥) میں ڈالنے کا رواج ہر جگہ ہے تاہم ابتدائے کلمہ میں جب ھمزۃ القطع بصورت الف (ا) لکھا جاتا ہے تو اس پر علامتِ قطع ڈالنے کا رواج مشرقی ملکوں (ترکی ، ایران ، برصغیر، چین وغیرہ) میں صدیوں سے متروک ہو چکا ہے۔ البتہ عرب اور افریقی ملکوں میں اس کا رواج موجود ہے۔ اس اختلاف کا اثر کلمہ " اولٰئک " کے ضبط میں ظاہر ہوگا۔

(۳) واو ساکنہ ماقبل مضموم پر علامتِ سکون صرف برصغیر میں ڈالی جاتی ہے اس کا نمونہ کلمہ " المفلحون " کا ضبط ہوگا۔

(۴) صرف افریقی ممالک میں نون متطرفہ (آخر پر آنے والا نون) کو اعجام یعنی نقطے سے خالی رکھا جاتا ہے۔ نیز " ف " کو " ڡ " لکھا جاتا ہے۔ اس اختلاف کا اثر بھی کلمہ " المفلحون " کے ضبط میں ظاہر ہوگا۔

(۵) تنوین اخفاء و اظہار کی شکل میں فرق صرف عرب اور افریقی ممالک کے مصاحف میں کیا جاتا ہے یعنی تنوین اظہار کے لئے متراکب حرکات (ـً ، ـٍ ، ـٌ) ڈالی جاتی ہیں۔ جبکہ تنوین اخفاء کیلیے متتابع حرکات (ـً ، ـٍ ، ـٌ) لکھی جاتی ہیں۔ پاکستان میں صرف " تجویدی قرآن " کی کتابت اور ضبط میں تنوین کے اس فرق کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ ایران ترکی برصغیر اور چین میں صرف تنوین متراکب ہی استعمال ہوتی ہے۔ اخفاء و اظہار کا استعمال استاد کی شفوی (زبانی) تعلیم پر منحصر ہے۔ البتہ چین میں تنوین اظہار کے نیچے یا ساتھ ایک چھوٹا سا " ن " لکھ دیتے ہیں۔

اور تنوینِ اخفاء کے لیے تنوین کے اوپر تین باریک نقطے " ۛ " لکھ دیتے ہیں۔
تنوین کی صورت کے اس فرق کا اثر کلمہ " ھدی " کے ضبط میں سامنے آئیگا۔

(۶) نون ساکنہ مخفاۃ (ایسا ساکن نون جس کے بعد کوئی حرف اخفاء آرہا ہو) کو علامتِ سکون سے خالی رکھنے کا رواج بھی صرف عرب اور افریقی ملکوں میں ہے۔ مشرقی ممالک میں یہ علامتِ سکون ڈالی جاتی ہے۔ نون ساکنہ مخفاۃ کے بعد اگر " یرملون " میں سے کوئی حرف آرہا ہو تو وہ نون اس میں مدغم ہو جاتا ہے۔ اور اس کے لئے اس حرف (مدغم فیہ) پر علامت تشدید ڈالنے کا رواج ہر جگہ ہے ماسوائے ایران اور ترکی کے۔ ضبط کے اس طریق کا فرق " من ربھم " کے ضبط میں نمایاں ہوگا۔

(۷) الف محذوفہ کو بذریعہ ضبط ظاہر کرنے کے لئے مشرقی ممالک صرف علامتِ اشباع " کھڑی زبر " (ٰ) استعمال ہوتی ہے جب کہ عرب اور افریقی ممالک میں اس مقصد کے لئے " فتحہ مع الف صغیرہ " یعنی فتحہ کے ساتھ کھڑی زبر (ٰ) ڈالتے ہیں۔ اس اختلاف کا اثر " اولئک " اور " علی " کے ضبط پر پڑے گا۔

(۸) حروف زوائد (جو حرف لکھے جاتے ہیں مگر پڑھے نہیں جاتے) پر " علامتِ زیادۃ " (یا علامتِ تنسیخ) بصورت " دائرہ صغیرہ " (۠) ڈالنے کا طریقہ عرب اور افریقی ممالک میں بڑی وسعت کے ساتھ استعمال ہوتا ہے حتیٰ کہ وہاں واو الجمع کے بعد آنے والے " الف " (ا) پر بھی یہ علامت ڈالتے ہیں۔ یوں وہاں " علامتِ زیادۃ " سینکڑوں جگہ استعمال ہوتی ہے۔ اس کے برعکس مشرقی ممالک میں یہ طریقہ اختیار کیا گیا ہے کہ جو حرف (زائد) پڑھا نہیں جاتا اسے ہر قسم کی علامت ضبط سے خالی رکھا جاتا ہے۔ اس طرح کوئی بیس کے قریب ایسے مقامات رہ جاتے ہیں جن میں حرف مفتوح کے بعد الف (ا) آتا ہے مگر یہ زائد ہوتا ہے یعنی اپنے ماقبل کو مدّ نہیں دیتا۔ بس ایسے " الفات " پر التباسِ مد سے بچنے کے لئے علامتِ زیادۃ ــ بصورت دائرہ صغیرہ ــ ڈال دی جاتی ہے اس علامت زیادۃ کے ڈالنے نہ ڈالنے کا فرق کلمہ " اولئک " کے ضبط میں

ظاہر ہو گا۔

(۹) آیتِ زیرِ مطالعہ کے ضبط کے سلسلے میں کلمہ "اولئک" کے طریقِ ضبط کا اختلاف خصوصاً دلچسپ ہے۔ اس لئے اس پر ذرا تفصیل سے بات کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ اس کلمہ کے "رسم" کی بھی وضاحت اوپر کی جا چکی ہے۔ ضرورت ہو تو اس پر بھی پھر نظر ڈال لیجئے:۔

"اولئک" کے ابتدائی ھمزۃ القطع پر ضمہ (ـُـ) دیا جاتا ہے۔ بعض ممالک (برصغیر، ترکی، ایران، چین) میں علامتِ قطع کے بغیر (اُ) اور عرب اور افریقی ملکوں میں علامتِ قطع کے ساتھ [أُ ، اُء ، ءاُ ، ٥أُ ، ٤اُ کی صورت میں]۔

اس ابتدائی الف کے بعد والی "و" تلفظ میں نہیں آتی اس لئے مشرقی ممالک میں اسے ہر قسم کی علامتِ ضبط سے خالی رکھا جاتا ہے۔ تاہم چونکہ عرب اور افریقی ملکوں کے علاوہ ایران، ترکی اور چین میں "واو مضموم ماقبل مضموم پر علامتِ سکون نہیں ڈالی جاتی (مثلاً نُور، ھود وغیرہ میں) اس لئے (اور اس قاعدے کو ذہن میں رکھنے والا) وہاں کا قاری اس "أُو" کو پہلی نظر میں لازماً "اُو" پڑھ ڈالے گا۔ قاری کو اس غلطی سے بچانے کے لئے عرب اور افریقی ملکوں میں اس "و" پر علامتِ زیادۃ (یا تنسیخ) ایک باریک دائرہ (٥) لکھی جاتی ہے "أُوْ" کی شکل میں۔ افریقی ملکوں میں علامتِ سکون (ـْـ) بھی چھوٹے دائرے کی شکل میں (٥) لکھی جاتی ہے اور یہی علامتِ زیادۃ بھی ہے اس لئے وہ "اولئک" کے پہلے حصے کو "أُوْ" ہی لکھتے ہیں۔ گویا اُن کے نزدیک "اُوْ" (بروزن ھُوْ) تب پڑھا جائے گا جب وہ "اُو" لکھا ہو یعنی "واو" ہر طرح کی علامتِ ضبط سے خالی ہو اور "أُوْ" کو صرف "أُ" پڑھا جائے گا کیونکہ "و" پر تو علامتِ زیادۃ ہے یعنی اسے نہیں پڑھنا۔

اس پیچیدہ اور التباس انگیز طریقے کے مقابلے پر برصغیر کا طریقۂ ضبط (کہ نہ پڑھے جانے والے حرف علامتِ ضبط سے خالی رکھے جائیں) زیادہ آسان،

نابلِ فہم اور بلحاظ کتابت بھی وقت بچانے والا ہے ۔ واو ماقبل مضموم کو علامتِ سکون سے خالی رکھنے کی بنا پر " اولٰئک " یا اولوالعزم " یا اولی الابصار" کی قسم کے کلمات کی قراءت میں جو التباس واقع ہوتا ہے اس سے قاری کو بچانے کے لئے ایرانی مصاحف میں بعض دفعہ نیچے باریک قلم سے " بلا اشباع " (کھینچنا نہیں) لکھ دیتے ہیں ۔ " اولٰئک " کی شکل میں ۔ اس کے مقابلے پر ترکی کے بعض مصاحف میں اس قسم کی (بلا اشباع) "و" کے نیچے باریک قلم سے لفظ " قصر " ــــــ یعنی " قصر " لکھ دیتے ہیں ۔ یعنی " اولٰئک " کی شکل میں ۔ اس کا بھی مطلب یہی ہے کہ اسے چھوٹا کر کے (مدّ کے بغیر ہی) پڑھنا ہے ــــ ایران اور ترکی کا یہ طریقہ کسی پڑھے لکھے قاری کو درست تلفظ میں مدد دے تو دے ۔ عام قاری جو " بلا اشباع " اور " قصر " کے معنی ہی نہ جانتا ہو اس کے لئے تو یہ ضبط درست قراءت میں مددگار ثابت نہیں ہو سکتا ۔ اس معاملے میں برصغیر کا طریقِ ضبط (کہ حروف زوائد کو علامتِ ضبط سے خالی رکھا جائے) یقیناً زیادہ آسان اور زیادہ مفید ہے ۔

" اولٰئک " کی " لام " پر عرب ممالک میں فتحہ (ـَـ) لگا کر ساتھ الف مقصورہ (کھڑی زبر) ڈالتے ہیں " لَـٰئک " کی شکل میں ۔ جب کہ برصغیر میں اس " لام " پر صرف کھڑی زبر (ـٰ) ڈالنے پر اکتفا کیا جاتا ہے ۔ " لٰئک " یا " لٰئک " کی صورت میں ــــ افریقی ممالک میں اس " لام " پر فتحہ (ـَـ) بھی ڈالتے ہیں ۔ اور اس کے ساتھ "چھوٹا الف" (مقصورہ) اس طرح ترچھا ڈالتے ہیں کہ اس کی شکل " لا " سے مشابہ ہو جاتی ہے " اولٰئک "

اس " لا " پر علامتِ مدّ بھی ہر جگہ ڈالی جاتی ہے ۔ اگرچہ مدّ کے لکھنے کا انداز مختلف ہوتا ہے ۔ (سہ ، مہ) ۔ چین میں " اولٰئک " کے " لام " پر لمبی ترچھی مدّ ڈال دیتے ہیں ۔ فتحہ (ـَـ) یا کھڑی زبر (ـٰ) وغیرہ کچھ نہیں ڈالتے یعنی " اولٰئک " کی صورت میں لکھتے ہیں ۔

" اولٰئک " میں " ل " اور " ئ " کے درمیان همزة القطع کی " کرسی "

کے لئے " یا " کا نبرہ (دندانہ) ڈالا جاتا ہے اور ھمزۂ مکسورہ اس نبرہ کے نیچے لکھا جاتا ہے (اولِٕک) ۔ یہ طریقہ مصر اور ایشیائی ملکوں میں رائج ہے ۔ ایران اور ترکی میں یہ ھمزہ نبرہ کے اوپر لکھنے کا رواج ہے (اولئک) ۔ افریقی ملکوں میں (سے بعض مثلاً تونس ، مراکش ، غانا میں) اس نبرہ کے نیچے "یا" کے دو نقطے بھی لکھتے ہیں اور ساتھ ہی ھمزۂ مکسورہ بھی (اولیِٕک یا اولِٕیک کی شکل میں) ۔

" اولئک " کے آخری " کاف " کے لکھنے کا طریقہ بھی مختلف ہے اکثر تو اسے " ك " کی صورت میں لکھا جاتا ہے ۔ مگر بعض افریقی ملکوں اور جنوبی ہندوستان (مالابار) کی ریاست کیرالا (جسے عربی میں " کیرلہ " ہی لکھا جاتا ہے) میں اسے ہمیشہ " ک " یا ک " کی شکل میں لکھتے ہیں ۔

اس طرح آیت زیرِ مطالعہ کے کلمات کے ضبط کی حسب ذیل صورتیں سامنے آتی ہیں :۔

أُولِٕكَ ، أُولٰئِكَ ، أُوْلَـٰٓئِكَ ،

أُوْلَٰٓئِكَ ، أُوْلَٰٓئِكَ . أُولَٰٓئِكَ

عَلٰى عَلَىٰ ۔ هُـدًى ، هُـدًى

مِنْ رَّبِّهِمْ مِنْ رَبِّهِمْ مِنْ رَّبِّهِمْ مِن رَّبِّهِمْ

واولئک مثل سابق

هُمُ الْمُفْلِحُونَ ، الْمُفْلِحُونَ ، ٱلْمُفْلِحُونَ ، ٱلْمُفْلِحُونَ

ڈاکٹر طاہر سعید کے نام (۱۴)
ڈاکٹر محمد مقصود

اسلام کا معاشرتی نظام

اسلام نے دنیا کو جو معتدل سماجی اور معاشرتی نظام عطا کیا تھا اُس کا پہلا اور بنیادی نکتہ یہی ہے کہ :-

يَا اَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ (الحجرات)

ترجمہ :- "اے لوگو میں نے تمھیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمھارے خاندان اور قبیلے بنائے تاکہ ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ بے شک تم میں اللہ تعالٰی کے نزدیک زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہو۔"

اس میں بالکل صاف اور غیر مبہم الفاظ میں بتایا گیا تھا کہ انسان بحیثیت انسان سب کے سب برابر ہیں اور ان میں نسلی، وطنی، لونی، لسانی یا جغرافیائی لحاظ سے کوئی فرق نہیں کُلُّكُمْ مِّنْ آدَمَ وَآدَمُ مِنْ تُرَابٍ (الحدیث) "تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم مٹی سے بنے تھے" انسانی بنیاد پر کوئی اونچا نہیں، کوئی نیچا نہیں، کوئی گھٹیا نہیں، کوئی بڑھیا نہیں۔

دوسرا نکتہ اسلام کے اس نظام خیر و برکت کا یہ تھا کہ مرد اور عورت جو کہ اس میں شک نہیں ایک دوسرے کا لباس ہیں (هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ۔ البقرة) مگر جسمانی اور نفسیاتی پہلوؤں سے مختلف بھی ہیں لہٰذا ہر ایک کا دائرۂ کار بھی الگ اور مختلف ہونا چاہیے اور چونکہ دونوں کا بلا روک ٹوک ایک دوسرے کیساتھ خلط ملط ہو جانا بیسیوں تمدنی فتنوں اور ہزاروں معاشرتی ناہمواریوں کو جنم دیتا ہے، لہٰذا پردے کا ایک علمی اور عقلی نظام تجویز کر کے اسلام نے مرد و زن کے لیے زندگی گزارنے

کے الگ الگ میدان اور دائرۂ کار کا تعین کر دیا مگر آہ کہ اس معتدل نظامِ معاشرت کے چشمۂ صافی کو طاغوت نے اپنی سیاہ کاریوں سے بالآخر گدلا کر دیا۔ جہالت و نادانی کا بُرا ہو کہ شیطانِ جدید نے اِس متوازن نظامِ تمدن و معاشرت میں بھی بڑی شاطرانہ دست اندازی کی۔ اور بالآخر اِسے اسلامیت کی روح سے یکسر بیگانہ کر دیا۔ رنگت کا جادو پھونک کر طاغوت نے انسانیت کو تجربات و حوادث کی جن تلخ گھاٹیوں اور بھٹیوں میں سے بار بار گزارا اور بطور مثال امریکہ جیسی (بزعمِ خود اور بقول خود ان کے) ترقی یافتہ ملک کو مسلسل کالی اور گوری رنگتوں کی بنیاد پر خون خرابہ اور قتل و غارت گری کے حمام میں ننگا کیا، نسل کی بنیاد پر ذات پات کی تقسیم نے جس طرح انسانیت کو گروہی اور طبقاتی نزاع و کشاکش کے بھینٹ چڑھایا، ذات و وطن کو بنیاد بنا کر جاہل و نادان انسانیت نے جس ثیفتگی کے ساتھ اِس بُت کو اپنے سینے سے جا ملایا۔ اسی زہرِ ہلاہل کی سرمستی اور دیوانگی میں ہزاروں چھوٹی لڑائیاں اور دو عالمگیر جنگیں لڑ کر جس سفاکی اور بے دردی سے لاکھوں انسانوں کو بے گھر، ہزاروں ماؤں کو بے اولاد اور کروڑوں جانوں کا صفایا کروایا، اسی زعم کے بل بوتے پر بزمارک (BISMARK) نے جرمنی کی اُنتالیس متشر ریاستوں میں قتل و غارت گری کا بازار گرم کر کے جس طرح آگ و خون کی تاریخ میں اپنا نام (THE MAN OF BLOOD AND IRON) کے الفاظ سے ثبت کروایا اور اسی بنیاد پر ہٹلر اور مسولینی نے فضائے آسمانی کو نہایت فراخ دلی اور دریا دلی کے ساتھ بموں، بارودوں اور پٹاخوں سے جس طرح بمباری کی تجربہ گاہ بنایا، اس کی حقیقت اور واقعیت سے صرف وہی لوگ انکار کر سکتے ہیں جن کے دلوں سے اثر پذیری، جن کے کانوں سے حق نیوشی اور جن کی آنکھوں سے عبرت نگاہی کی صلاحیتیں اُچک لی گئی ہوں۔ شیطانی اور طاغوتی نظامِ تمدن و معاشرت کی بنیاد، غیر معتدل اور بے خدا وطنیت کی یہی وہ شناعت اور خباثت تھی جسے اقبال جیسے ہونہار اور نکتہ شناس فلسفی نے دورِ حاضر کا سب سے بڑا شرک، مسلم کا نیا "حرم" اور ان تازہ خداؤں میں سب سے "بڑا خدا" قرار دیا۔ اور تکرار کے ساتھ نہایت زور دیکر کہا کہ وطنیت کے اس جدید شیطانی کو پیرہن (لباس) پہنا دینا درحقیقت اسلام کو کفن فراہم کر دینے کے مترادف ہے۔ چنانچہ انہوں نے ایک خاموش تماشائی کی طرح جب دیکھا کہ کچھ غیروں کی شرارت اور بعض اپنوں کی نادانی و حماقت سے بعض علمائے مذہب بھی لیلائے وطنیت کی زُلفِ گرہ گیر کے اسیر ہونے لگے ہیں تو اُن کا خونِ جگر اور دردِ دل اشکبار آنکھوں کے ساتھ ان جلالی الفاظ میں

ایک زور دار سیلِ رواں اور بحرِ بیکراں بن کر ٹوٹ پڑا کہ ؎

اس دور میں مے اور ہے، جام اور ہے، جم اور
ساقی نے بنا کی روشِ لطف و ستم اور
مسلم نے بھی تعمیر کیا اپنا حرم اور
تہذیب کے آزر نے ترشوائے صنم اور
ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے
جو پیرہن اس کا ہے وہ مذہب کا کفن ہے

یہ بُت کہ ترا شیدۂ تہذیبِ نوی ہے
غارت گرِ کاشانۂ دینِ نبوی ہے
بازو ترا توحید کی قوت سے قوی ہے
اسلام ترا دیس ہے تو مصطفوی ہے
نظارۂ دیرینہ زمانے کو دکھا دے
اے مصطفوی خاک میں اس بُت کو ملا دے

اقوامِ جہاں میں ہے رقابت تو اسی سے
تسخیر ہے مقصودِ تجارت تو اسی سے
خالی ہے صداقت سے سیاست تو اسی سے
کمزور کا گھر ہوتا ہے غارت تو اسی سے
اقوام میں مخلوقِ خدا بٹتی ہے اس سے
قومیّتِ اسلام کی جڑ کٹتی ہے اس سے

اسی طرح طاغوتِ انسانی نے مرد و زن کے مابین حائل پردے کو نہایت بے دردی کے ساتھ پھاڑ کر ان دونوں کو ایک دوسرے کے ساتھ جس طرح خلط ملط کر دیا اور پھر اس بے لگام آزادی سے جس طرح منہ زوری، جنسی انارکی اور بے راہ روی کا ایک نہ تھمنے والا سیلاب ٹوٹ پڑا وہ بجائے خود ایک ایسی جگر خراش داستان ہے جسے سُن کر اور جس کی تصویر کو ان ناسوتی آنکھوں سے دیکھ کر زمین میں گڑنے اور سر پیٹنے کو جی چاہتا ہے چنانچہ اکبر الہ آبادی کے بقول ؎

بے پردہ کل جو آئیں نظر چند بیبیاں
اکبر زمیں میں غیرتِ قومی سے گڑ گیا
پوچھا جو ان سے آپ کا پردہ وہ کیا ہوا
کہنے لگیں کہ عقل پہ مردوں کی پڑ گیا

دوسرے مقام پر اکبر ایسی ہی نادیدہ جہالتِ جدیدہ پر طنز و تضحیک کے فقرے چست کر کے کہتا ہے

؎ یہ بات تو اچھی ہے کہ اُلفت ہو مسوں سے
حُور اُن کو سمجھتے ہیں قیامت ہے تو یہ ہے
پیچیدہ مسائل کے لیے جاتے ہیں انگلینڈ
زلفوں میں اُلجھ آتے ہیں شامت ہے تو یہ ہے
کمرے میں جو ہنستی ہوئی آئی مسِ رعنا
ٹیچر نے کہا علم کی آفت ہے تو یہ ہے
پبلک میں ذرا ہاتھ ملا لیجئے مجھ سے
صاحب مرے ایمان کی قیمت ہے تو یہ ہے

پھر اسی خلط و اختلاط اور نام نہاد مساواتِ مرد و زن نے زن کو نازن (عورت کو نا عورت) بنا دیا اور بالآخر اسلام کے روحِ رواں رشتۂ امومت (ماں ہونے) کی جڑ کاٹ دی۔ اسی صورتِ حال پر اقبال نے ان الفاظ میں ایک ناقدانہ نگاہ ڈالی۔ ؎

تہذیبِ فرنگی ہے اگر مرگِ امومت — ہے حضرتِ انساں کے لیے اس کا ثمر موت
جس علم کی تاثیر سے زن ہوتی ہے نازن — کہتے ہیں اسی علم کو اربابِ نظر موت

یہ تھی نظامِ اجتماعی کے اندر وہ عظیم الشان تبدیلی اور یہ تھی وہ خوفناک، افسوسناک اور شرمناک ٹھوکر جو انسانیت نے خدا و رسولؐ سے بغاوت کے معاوضے میں کھائی اور اس کے نتیجے میں اللہ اور رسولؐ سے بالکل باغی نظامِ اجتماعی یعنی سیاسی، معاشی اور معاشرتی نظام (POLITICO-SOCIO-ECONOMIC SYSTEM) آکر انسانیت کے سر پر مسلط ہو گیا کہ ؎

؎ شور ہے ہو گئے دنیا سے مسلماں نابود — ہم یہ کہتے ہیں کہ تھے بھی کہیں مسلم موجود
وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود — یہ مسلماں ہیں جنھیں دیکھ کے شرمائیں یہود!

قلب میں سوز نہیں، روح میں احساس نہیں کچھ بھی پیغامِ محمدؐ کا تمہیں پاس نہیں

میں نے ابتدا میں انسانی زندگی کو دو گوشوں (انفرادی اور اجتماعی یا مذہب اور دین) میں تقسیم کیا تھا اور بتا دیا تھا کہ پہلا گوشہ ۱۔ عقیدہ ۲۔ عبادات اور ۳۔ رسوم و رواج پر مشتمل ہے ــــ جسے انفرادی یا مذہبی زندگی کہتے ہیں، جبکہ اس کے ساتھ دوسرا گوشہ (سیاسی + معاشی + معاشرتی نظام) ملانے سے دین بن جاتا ہے۔ اسی معنی میں اسلام دین ہے، مذہب نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پورے قرآن میں الحمدللہ سے لے کر مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ تک لفظ مذہب کہیں ایک جگہ بھی استعمال نہیں ہوا۔ اسی طرح احادیثِ نبویؐ کے پورے ذخیرے میں بھی اسلام کو کہیں مذہب کے نام سے یاد نہیں کیا گیا ہے۔ عیسائیت ایک مذہب ہے، یہودیت مذہب ہے، اسی طرح بدھ مت اور ہندو مت مذاہب ہیں، کیونکہ ان مذاہب کے پیروکاروں کے پاس یا اُن کی کتابوں میں انفرادی زندگی کے مباحث تو ہیں مگر ان میں سے کسی مذہب کے پاس اجتماعی زندگی یا سیاسی، معاشی اور معاشرتی نظام کا کوئی نقشہ نہیں۔ اسلام ایک عالمگیر اور آفاقی سیاسی، معاشی اور معاشرتی نظام رکھتا ہے۔ لہٰذا وہ دین ہے۔ دین کی اس اصطلاح کے لیے دیکھیے سورۃ آلِ عمران آیت ۱۹، سورۃ المومن ۶۴، ۶۵ ــــ سورۃ آلِ عمران ۸۵ ــ سورۃ المائدۃ ۳ ــ سورۃ الزُّمر ۱۱ و ۱۷ ــ سورۃ التوبہ ۳۳ ــ سورۃ الزمر ۲، ۳۔ سورۃ الفتح ۲۸۔ سورۃ الصف ۹۔ سورۃ التوبہ ۲۹۔ سورۃ البینۃ آیت ۵)

جہاں تک انفرادی یا مذہبی زندگی کے تین اجزاء عقیدہ، عبادات اور رسوم و رواج کا تعلق ہے یہ تینوں چیزیں کسی نہ کسی شکل میں جس طرح پہلے موجود تھیں اُسی طرح آج بھی ہیں۔ عقیدہ سے لحاظ سے تو آج بھی ہر انسان (خواہ وہ دنیا کے کسی گوشہ میں رہتا ہو) آزاد ہے کہ زندگی، انسان اور کائنات کے متعلق کوئی بھی عقیدہ رکھے۔ اس معاملے میں اُس پر کوئی قید یا قدغن نہیں۔ عبادات کے ضمن میں بھی اسی طرح آزادی ہے۔ انسان اپنی مرضی سے چاہے تو خدا کو پوج سکتا ہے۔ چاہے کسی بُت کا پرستار ہو سکتا ہے، آگ کے سامنے خوشی سے سجدہ ریز ہو سکتا ہے۔ اور چاہے تو سورج کا طواف کر سکتا ہے۔ اسی طرح رسوم و رواج اور معاملات میں ہر فردِ نوعِ بشر بالکل آزاد ہے۔ وہ چاہے تو نومولود کی پیدائش کے دوران اپنے مذہبی عقیدے کے مطابق کان میں اذان دے سکتا ہے، موسیقی گا سکتا ہے۔ نہیں تو کسی دوسرے یزدان یا بھگوان کا راگ الاپ سکتا ہے۔ بالغ ہو کر شادی بیاہ کی تقریب کو اپنے رواج کے مطابق منعقد کر سکتا ہے اور تجہیز و تکفین یا کفن دفن کے معاملے کو اپنے رواج کی روشنی

میں پایۂ تکمیل تک پہنچا سکتا ہے ۔مگر یہ انفرادی زندگی ہے ۔طاغوت اس میں زیادہ ایچ پیچ کرنا نہیں چاہتا ۔اگر کوئی ان تینوں اجزاء کی دعوت و تبلیغ کے لیے پوری دنیا کا چکر لگائے تب بھی شیطان کو قطعاً کوئی اعتراض نہیں ۔لیکن اگر کوئی فرد یا گروہ انفرادی زندگی سے بڑھ کر اجتماعی زندگی کے تین اجزاء (سیاسی، معاشی اور معاشرتی نظاموں) میں سے کسی ایک کی بھی تبلیغ و دعوت شروع کر دے تو دورِ جدید کا طاغوت چراغ پا ہو کر اپنی پوری قوت کے ساتھ میدانِ کارزار میں اتر آئے گا ۔

یہاں تک جو کچھ عرض کیا جا چکا اس سے یہ بات تو آپ سے آپ واضح اور آشکار ہو جاتی ہے کہ بے خدا یا غیر اسلامی دنیا کا نظامِ اجتماعی تو ویسے بھی غلط بنیادوں پر قائم ہے، مگر ہمارے لیے ترجیحات کے لحاظ سے اصل دردِ سر مملکتِ خداداد پاکستان اور پھر پوری اسلامی دنیا ہے ۔چنانچہ یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ انفرادی اور مذہبی زندگی کی سطح پر بشمول پاکستان پوری اسلامی دنیا کے اندر اگرچہ معتد بہ تعداد خدا و رسولؐ کا نام لینے والوں کی موجود ہے مگر جہاں تک نظامِ اجتماعی (سیاسی، معاشی اور معاشرتی نظام) کا تعلق ہے اُس پر شیطان اور طاغوت کا ویسے ہی قبضہ اور تسلط ہے جس نوعیت کا قبضہ اور تسلط غیر اسلامی دنیا پر ہے ۔اس لحاظ سے پاکستان اور روس و آسٹریلیا یا امریکہ اور انڈونیشیا کے مابین کوئی فرق و تفاوت نہیں ۔ غیر اسلامی دنیا جن کاموں پر قید و بند کی سزائیں دیتی ہے ، نام نہاد اسلامی دنیا جس پر اسلام کا ایک نمائشی اور سرسری لیبل لگا ہوا ہے وہی سزا پھانسی اور جلا وطنی کی شکل میں دے رہی ہے ۔ ڈاکہ زنی و قمار بازی اور فحاشی و عریانی کا جو کام غیر اسلامی دنیا کے اندر ڈاکو اور ڈانسرز (DANCERS) انجام دے رہے ہیں وہی کام اسی نام نہاد اسلامی دنیا کے اندر لفظ " اسلامی" کے ایک شاطرانہ اضافے اور سابقے کے ساتھ اسلامی ڈاکو ۔ اسلامی ڈانسرز اور اسلامی طوائفیں سر انجام دے رہی ہیں ۔

اخلاقی پستی کے لحاظ سے فسق و فجور اور کذب و خیانت کے جتنے نادر نمونے غیر اسلامی دنیا کے اندر موجود ہیں اُس سے دُگنے نمونوں کی صورت میں نام نہاد اسلامی دنیا کے اندر چوری، زنا کاری، رشوت خوری، حرام کاری اور عدالتوں کے اندر جھوٹی گواہیوں کا موسمِ بہار ہے ۔جن جن فواحش نے غیر اسلامی دنیا کے اندر سکون و اطمینان کو بری طرح غارت کر دیا ہے بالکل وہی نجس و غلیظ سامانِ لذت نام نہاد اسلامی دنیا جیسے پاکستان، مصر، ترکی اور سوریا (شام) کے اسلامی وڈیرے اور اسلامی لفنگے لاکھوں روپے دے دے کر شراب و قمار اور بازاری عورتوں کی شکل میں تحفۃً منگوا رہے ہیں کہ بقولِ اقبال ؎

حِلہ فرنگ سے آیا ہے سوریا کے لیے   مےَ و قمار و ہجومِ زنانِ بازاری

★★★

بیت الحکمۃ

ہمدرد یونیورسٹی لائبریری کا تعارفی خاکہ

ہمدرد یونیورسٹی لائبریری بیت الحکمت کی رسم افتتاح انشاء اللہ العزیز ۱۱ر دسمبر ۱۹۸۹ء کو ہوگی اور لائبریری اپنی نئی عمارت مدینۃ الحکمت میں اپنا کام شروع کر دے گی۔

ہمدرد فاؤنڈیشن کے صدر جناب حکیم محمد سعید کی ذاتی لائبریری کو بیت الحکمت کی اساس یا مرکزی حصہ کی حیثیت حاصل ہے۔ یک صد ہزار جلدوں کا یہ اساسی ذخیرہ نایاب کتابوں، مخطوطات، رسائل و جرائد، قرآن پاک کے مختلف زبانوں میں تراجم، تحقیقی مواد، مائیکرو فلم، سمعی و بصری ٹیپ، اور اخبارات کے تراشوں پر مشتمل ہے جسے دوسرے حضرات کے ذاتی ذخائر کتب کے حصول، نئی کتابوں کی خرید اور عالمی سطح پر کتابوں کے عطیہ کی مہم کے ذریعہ سے مزید وسعت دی گئی ہے۔ اداروں اور لائبریریوں میں اس مہم کا زبردست خیر مقدم کیا گیا اور اس ذخیرۂ کتب میں طب، سائنس، ٹکنالوجی، تاریخ، تعلیم اور ادبیات کی سینکڑوں کتابیں ہمدرد مطبوعات کے تبادلہ میں موصول ہوئی ہیں۔

بیت الحکمت کی عمارت کی دل آویز ساخت جدیدیت اور اسلامی فن تعمیر کی روایت کی جھلک بیک وقت پیش کرتی ہے۔ دس ایکڑ پر پھیلی ہوئی اس چھ منزلہ عمارت کی نچلی منزل اور اوپر کی منزلیں پہلے مرحلہ میں یک صد ملیون روپیہ کی لاگت سے تکمیل پا چکی ہیں۔ یہ پوری رقم ہمدرد فاؤنڈیشن نے تنہا اپنے وسائل سے بہم پہنچائی ہے۔ فاؤنڈیشن کی مالی کفالت دوا سازی کی صنعت کا ادارہ ہمدرد (وقف) پاکستان کرتا ہے جس کا پورا منافع فلاح و بہبود کے کاموں اور علمی سرگرمیوں کے لئے وقف ہے۔

بیت الحکمت کی نچلی منزل میں لائبریری، آڈیٹوریم، تھیٹر اور کھلے میدان میں چھوٹا سا باغ ہے جس کے بالکل بیچ میں فوارہ اور باغ کے اطراف میں چھوٹی پختہ گزر گاہیں ہیں۔

بیت الحکمت کے خصوصی نکات

۱۔ بنیادی طور پر بیت الحکمت ایک عظیم لائبریری ہے جسے ۲ء۵ ملیون کتابوں کے رکھنے کے لئے بنایا گیا ہے۔ فی الحال اس میں رسائل و جرائد کے علاوہ دو صد ہزار کتابیں ہیں۔

۲۔ بیت الحکمت ترجمہ و تالیف کا بیورو بھی ہے جس میں تحقیق کی جدید ترین سہولتیں موجود ہیں جن میں جدید کمپیوٹر سسٹم بھی شامل ہے۔ مزید براں کچھ ایسے منصوبے بھی زیر تکمیل ہیں جن کے تحت تمام دنیا کی لائبریریوں اور تحقیقی اداروں سے اس کا رابطہ قائم کیا جائے گا۔

۳۔ بیت الحکمت میں اخباروں کے تراشوں کا ایک شعبہ ہے جس میں پانچ سو موضوعات پر ۲ ملیون تراشے دستیاب ہیں۔

۴۔ بیت الحکمت میں تقریباً ایک ہزار ادبی اور سائنسی جرائد ہیں جو تاریخ و تحقیق کے اسکالروں کو ضروری ماخذیاتی مواد فراہم کرتے ہیں۔

۵۔ بیت الحکمت کے شعبۂ مخطوطات میں اہم مخطوطات کی ایک بہت بڑی تعداد ہے جن کی فہرست مناسب انداز سے تیار کی گئی ہے کہ اسکالر ان سے پوری طرح استفادہ کر سکیں ان مخطوطات کی جلد سازی اور انہیں محفوظ رکھنے کے انتظامات کے سلسلے میں جدید ترین تکنیک کو بروئے کار لایا گیا ہے۔

۶۔ بیت الحکمت میں لیزر پرنٹرز اور ریڈرز کے ساتھ مائیکرو فلم اور مائیکرو فش کی سہولتیں بھی موجود ہیں۔ فوٹو کاپی کے لئے فلم اور دوسرا سامان بھی مہیا کیا گیا ہے۔

۷۔ بیت الحکمت نے تمام دنیا کی تقریباً دو ہزار یونیورسٹیوں سے رابطہ قائم کیا ہوا ہے اور دنیا بھر کی یونیورسٹیوں سے کتابوں کے تبادلے کا پروگرام باقاعدہ شروع کیا جا چکا ہے جس میں مزید توسیع کی جا رہی ہے۔

۸۔ مشرق و مغرب سے آنے والے تشنگانِ علم کے لئے اسکالرز روم تعمیر کر دیئے گئے ہیں جہاں وہ اپنے علم کی پیاس بہ طریقِ احسن بجھا سکیں گے' ان کمروں میں ضروری فرنیچر کے ساتھ ٹائپ رائٹر بھی فراہم کئے گئے ہیں۔ مقامی اسکالروں کے لئے بھی سہولتیں فراہم کی گئی ہیں۔

بیت الحکمۃ
BAIT AL-HIKMAT

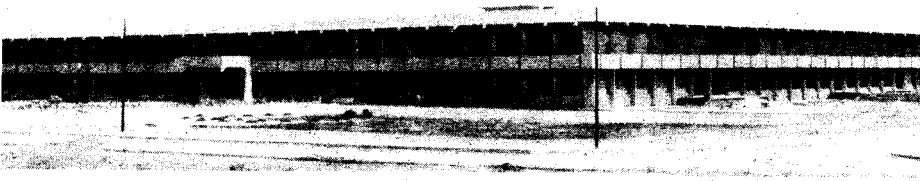

۹ - بیت الحکمت میں سائنسی سمینار اور کانفرنسوں کے انعقاد کے لئے آڈیٹوریم کے علاوہ علماء و دانشور حضرات کے مباحثوں اور مذاکروں کے لئے بورڈ روم بھی بنائے گئے ہیں - آڈیٹوریم میں پانچ بین الاقوامی زبانوں میں متوازی ترجمہ کے ساتھ فلم اور سلائڈ پروجیکشن کی سہولتیں بھی موجود ہیں -

۱۰ - عالمی اسکالروں کی رہائش کے لئے عارضی انتظامات کر دئے گئے ہیں لیکن ایک نیشنز ولیج کا منصوبہ بھی تیار کر لیا گیا ہے جس میں اسکالروں کے لئے الگ الگ ۸۰ کاٹیج ہوں گے -

۱۱ - عالمی اسکالروں کے لئے ایک باغ تیار کر لیا گیا ہے - وہ یہاں آرام اور تفریح کر سکیں گے -

۱۲ - ٹیلیکس اور ٹیلی فکس کی سہولتوں کے علاوہ بیت الحکمت میں وائرلیس ٹیلی فون سسٹم بھی مہیا کیا گیا ہے -

۱۳ - بیت الحکمت کے فوٹو گراف سیکشن میں عالمی اسکالروں کے دس ہزار سے زائد فوٹو گرافس ہیں - اس میں ایک ٹکٹوں کا سیکشن بھی ہے جس میں ڈاک کے بہترین ٹکٹوں کا ذخیرہ ہے -

۱۴ - بیت الحکمت کا اپنا ڈاک خانہ ہے -

۱۵ - یہاں ایک مکمل کیفے ٹیریا ہے -

۱۶ - بیت الحکمت میں ایک آڈیٹوریم کا کھلے میدان میں بھی انتظام کیا گیا ہے -

★★★★★

اشاریہ حکمتِ قرآن

جنوری ۱۹۸۹ء تا دسمبر ۱۹۸۹ء

مُرتّب : حافظ خالد محمود خضر

قرآنیات

احمد یار، پروفیسر حافظ

لغات و اعراب قرآن : مقدمہ (۱)	جنوری ۸۹ء	صفحہ ۲۴
〃 〃 〃 〃 : 〃 (۲)	فروری ۸۹ء	〃 ۱۷
〃 〃 〃 〃 : استعاذہ	مئی، جون ۸۹ء	〃 ۴۵
〃 〃 〃 〃 : سورۃ الفاتحہ (۱)	〃 〃 〃	〃 ۵۸
〃 〃 〃 〃 : 〃 〃 (۲)	جولائی ۸۹ء	〃 ۲۵
〃 〃 〃 〃 : 〃 〃 (۳)	اگست ۸۹ء	〃 ۲۱
〃 〃 〃 〃 : سورۃ البقرہ (۱)	ستمبر ۸۹ء	〃 ۲۷
〃 〃 〃 〃 : 〃 〃 (۲)	اکتوبر ۸۹ء	〃 ۲۰
〃 〃 〃 〃 : 〃 〃 (۳)	نومبر ۸۹ء	〃 ۴۱
〃 〃 〃 〃 : 〃 〃 (۴)	دسمبر ۸۹ء	〃 ۳۶

اسرار احمد، ڈاکٹر

قرآن حکیم کی دعائیں (نشری تقریر)	ستمبر ۸۹ء	〃 ۳
نوعِ انسانی کا واحد اور آخری سہارا: قرآن حکیم (نشری تقریر)	نومبر ۸۹ء	〃 ۳

امینی، مولانا محمد تقی

ھدایۃ القرآن

(۲۸) تنگ نظری عبادت گاہوں اور مسجدوں تک کو ویران کردیتی ہے۔	جنوری ۸۹ء	صفحہ ۱۷
(۲۹) قیادت کی تبدیلی اور امت کی عالمی قیادت کا اعلان	فروری ۸۹ء	″ ۳
(۳۰) امتِ مسلمہ کی زندگی کا دستور العمل	مئی جون ۸۹ء	″ ۴
(۳۱) امتِ مسلمہ کی عالمی قیادت کے لئے چند بنیادی انتظامات (۱)	جولائی ۸۹ء	″ ۴
(۳۲) ″ ″ ″ ″ ″ ″ ″ ″ (۲)	اگست ۸۹ء	″ ۳
(۳۳) ″ ″ ″ ″ ″ ″ ″ ″ (۳)	اکتوبر ۸۹ء	″ ۷
(۳۴) ″ ″ ″ ″ ″ ″ ″ ″ (۴)	نومبر ۸۹ء	″ ۷
(۳۵) اصل چیز دل کی صفائی و عمل کی پاکبازی ہے	دسمبر ۸۹ء	″ ۳

شبیر حسین زاہد

قرآن مجید اور مستشرقین	جنوری ۸۹ء	″ ۴۷

قاسمی، مولانا اخلاق حسین

جنوبی ہند کی ایک نادر تفسیر (۱)	جولائی ۸۹ء	″ ۱۷
″ ″ ″ ″ ″ ″ (۲)	نومبر ۸۹ء	″ ۱۸

دعوت رجوع الی القرآن

اسرار احمد، ڈاکٹر

دو فکری خواب اور ان کی تعبیر	جنوری ۸۹ء	″ ۴
”وَاَمَّا بِنِعْمَۃِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ“ دعوت رجوع الی القرآن کی ساڑھے تیئس سالہ مساعی کے جائزے پر مشتمل خصوصی اشاعت	مارچ اپریل ۸۹ء	

لطف الرحمن خان

دینی تعلیم کا ایک سالہ نصاب	ستمبر ۸۹ء	″ ۴۶

حدیث وسنّت

عبدالرشید عراقی

کاروانِ حدیث (۱)	فروری ۱۹۸۹ء	صفحہ ۱۱
" " (۲)	مئی، جون ۸۹ء	" ۱۱
" " (۳)	جولائی ۸۹ء	" ۱۲
" " (۴)	اگست ۸۹ء	" ۱۰
" " (۵)	نومبر ۸۹ء	" ۱۳

علوی، محمد سعید الرحمٰن

اہل السّنۃ والجماعۃ	مئی، جون ۸۹ء	" ۹۳

قاسمی، مولانا اخلاق حسین

کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم شاعر تھے؟	فروری ۸۹ء	" ۴۳

فلسفہ وحکمت

اسرار احمد، ڈاکٹر

فکرِ اقبال کی روشنی میں حالاتِ حاضرہ اور ہماری قومی ذمہ داریاں	مئی، جون ۸۹ء	" ۱۹

محمد رفیع الدین مرحوم، ڈاکٹر

منشورِ اسلام (۱۱)	فروری ۸۹ء	" ۵۱
" " (۱۲)	مئی، جون ۸۹ء	" ۸۵
" " (۱۳)	اگست ۸۹ء	" ۴۹

اسلامی نظامِ حیات

اسرار احمد، ڈاکٹر

الحیاء شعبۃ من الایمان (نشری تقریر)	اکتوبر ۸۹ء	" ۳

توقیر عالم فلاحی

کیا اسلام سیکولرزم کا علمبردار ہے؟ — اگست ۸۹ء — صفحہ ۱۳

محمد طاسین، مولانا

بیمہ شریعت کی نظر میں — ستمبر ۸۹ء — ۷

محمد مقصود، حافظ ڈاکٹر

گوشۂ مقصود: ڈاکٹر طاہر سعید کے نام (۱) — اگست ۸۹ء — ۵۸

اسلام کا سیاسی نظام بسلسلہ ڈاکٹر طاہر سعید کے نام (۲) — اکتوبر ۸۹ء — ۴۲

اسلام کا معاشی نظام " " " (۳) — نومبر ۸۹ء — ۶۳

اسلام کا معاشرتی نظام " " " (۴) — دسمبر ۸۹ء — "

اقبالیات

بھاسکر راج سکسینہ

علامہ اقبال کے اندازِ فکر پر ویدانت کا اثر — دسمبر ۸۹ء — ۸

تنویر قیصر شاہد

قرآن سے اقبال کی محبت — جنوری ۱۹۸۹ء — ۵۹

محمد رفیع الدین مرحوم، ڈاکٹر

حکمتِ اقبال (۱۶) — جنوری ۸۹ء — ۳۷

" " (۱۷) — جولائی ۸۹ء — ۵۳

" " (۱۸) — ستمبر ۸۹ء — ۵۱

" " (۱۹) — اکتوبر ۸۹ء — ۱۴

" " (۲۰) — نومبر ۸۹ء — ۵۷

نقد و نظر

عبدالرؤف، مولانا سیّد

صدق اللہ العظیم — نومبر ۸۹ء — ۲۰

علماء اور قرّاء کے لئے لمحۂ فکریہ (دو اقساط میں) — دسمبر ۸۹ء — ۱۰

علوی، محمد سعید الرحمٰن

اہلِ بیت کون؟ — نومبر ۸۹ء — صفحہ ۳۳

قاسمی، مولانا اخلاق حسین

جنّت کا شجرِ ممنوعہ — اکتوبر ۸۹ء — ″ ۱۱

محمد صلاح الدین

معین قریشی اور مولانا اخلاق حسین قاسمی کے جواب میں — دسمبر ۸۹ء — ″ ۲۰

محمد عباس علی

اسلام اور تصوف — مئی، جون ۸۹ء — ″ ۱۰۵

محمد معین الدین قریشی

مدیر تکبیر سے چند سوالات — ستمبر ۸۹ء — ″ ۱۹

متفرق

احمد الدین مارہروی، پروفیسر

تحفظ اجناسِ خوردنی: قرآنی نقطۂ نظر سے — جنوری ۸۹ء — ″ ۳۳

یوسف سلیم چشتی، پروفیسر

حضرت ابوبکر صدیقؓ غیروں کی نظر میں — مئی جون ۸۹ء — ″ ۷۹

سالانہ رپورٹ انجمن خدّام القرآن سندھ مرتب: سید حامد علی رضوی — اکتوبر ۸۹ء — ″ ۴۵

بیت الحکمۃ (ہمدرد یونیورسٹی لائبریری کا تعارفی خاکہ) — دسمبر ۸۹ء — ″ ۵۵

تعارف و تبصرہ

مولانا ابوالکلام آزاد مرتّب: پروفیسر ہمایوں کبیر — جنوری ۸۹ء — ″ ۶۴

آسیاآباد مکران کے پانچ کتابچے — فروری ۸۹ء — ″ ۶۰

حروف: گورنمنٹ زمیندار ڈگری سائنس کالج گجرات کا ششماہی مجلّہ — ″ ″ — ″ ۶۳

اسلام میں دولتِ فاضلہ کا مقام تحریر: مولانا عبدالرحمٰن کیلانی ستمبر ۸۹ء صفحہ ۶۳
الانتباهات المفيدة عن الاشتباهات الجديدة
تصنیف: مولانا اشرف علی تھانوی 〃 〃 〃 ۶۴

اداریے

حکمتِ قرآن کے ادارتی صفحات پر ہر ماہ بالعموم " حرفِ اوّل " کے عنوان سے حافظ عاکف سعید صاحب کی تحریر شاملِ اشاعت ہوتی ہے !

بقیہ: علامہ اقبال کے اندازِ فکر پر ویدانت کا اثر

نے اس کو بھی اپنے مضمون کے ساتھ ہی شائع کر دیا جو درج ذیل ہے ـــــ اسرار احمد]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کراچی ۳ ستمبر ۱۹۸۹ء

محترمی و مکرمی جناب ڈاکٹر بھاسکر راج سکسینہ صاحب

آداب !

آپ کا خط مؤرخہ ۴ اگست ۱۹۸۹ء موصول ہو گیا۔ میری طرف سے بہت بہت شکریہ قبول فرمائیے۔ میں تو اپنے آپ کو محقق یا اقبال شناس نہیں سمجھتا، البتہ آپ نے یہ کہہ کر میری عزت افزائی کی ہے۔

یہ درست ہے کہ علامہ اقبال پر ابتدائی دور میں فلسفۂ ویدانت کا اثر رہا اور شاید اس کی وجہ سنسکرت زبان اور اس کے ادب سے ان کی وابستگی تھی۔ اس ضمن میں سوامی رام تیرتھ کا نام لیا جاتا ہے جن کے ساتھ ان ایام میں اقبال کی بہت دوستی تھی، جو ان کی وفات تک قائم رہی۔ سوامی جی ہی نے انہیں سنسکرت زبان اور اس کے روپ سے متعارف کرایا تھا مگر یہ میں نہیں کہہ سکتا کہ فلسفہ ویدانت پر اقبال کا کیونکر اثر رہا اور وہ کس طرح اُن کے فلسفۂ خودی

کے ارتقاء کا سبب بنا۔ اقبال کے فلسفۂ خودی کے متعلق بہت کچھ لکھا جا چکا ہے اور اس ضمن میں پاکستان کے علاوہ بھارت میں بھی بڑا کام ہوا ہے ۔ اس سلسلے میں سب سے پہلے تو آپ کو اُن کی تصنیف 'اسرارِ خودی' کا دیباچہ دیکھنا چاہیے جو پہلے ایڈیشن میں کتاب کے ساتھ شائع ہوا تھا اور بعد میں حذف کر دیا گیا۔ اس کے علاوہ آپ بھارت میں معروف اقبال شناس جناب جگن ناتھ آزاد صاحب سے رجوع کر سکتے ہیں ۔ انہوں نے اقبال کے فلسفۂ خودی پر کئی کتابیں لکھ رکھی ہیں ۔ پاکستان میں اس موضوع پر مشہور کتابوں میں سے ایک کتاب پروفیسر محمد عثمان مرحوم کی ہے جس کا عنوان ہے "اسرارِ خودی پر ایک نظر"۔

میری تحقیق کے مطابق سوامی ویکانند کی اقبال سے لاہور میں ملاقات کے متعلق کوئی تفصیل موجود نہیں ۔ ہو سکتا ہے کہ سن ۱۹۰۰ء یا ۱۹۰۱ء میں ایسی ملاقات لاہور میں کسی تقریب میں ہوئی ہو ، لیکن اس کا کافی تحریری ثبوت میرے پاس موجود نہیں ۔ جہاں تک سوامی رام تیرتھ کا تعلق ہے ، ان کے ساتھ اقبال کے ذاتی تعلقات تھے اور بانگِ درا میں ان کی نظم سوامی رام تیرتھ کی ناگہانی وفات کے صدمہ کے تحت لکھی گئی ، چونکہ اقبال ان کی بہت عزّت کرتے تھے ۔

مجھے معلوم ہے کہ علاّمہ اقبال کی یاد میں حیدرآباد شہر میں ایک مینار تعمیر کیا گیا ہے جس کا افتتاح آندھرا پردیش کے وزیرِ اعلیٰ جناب شری راما راؤ نے کیا تھا۔ کبھی حیدرآباد جانا نصیب ہوا تو اس یادگار کو ضرور دیکھوں گا ۔

امید ہے آپ بخیر ہوں گے ۔

خیر اندیش

جاوید اقبال

مرکزی انجمن خدّام القرآن لاہور

مکرمی ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ

الحمد للہ کہ اس سال قرآن کالج میں ایف۔ اے (سال اوّل) کی کلاس میں داخلہ کی صورت حال ہماری توقعات سے بھی زیادہ بہتر رہی۔ حقیقۃً تو یہ ہمارے ربّ کریم کا فضل اور اس کا احسان ہے، لیکن عالم اسباب میں یہ دراصل نتیجہ ہے اراکین انجمن، رفقاء تنظیم اور خط و کتابت کورس کے شرکاء کی مشترکہ محنت اور جدّ و جہد کا۔ چنانچہ ہم اپنے تمام معاونین کے تشکر گزار ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ سب کو اپنے اجرِ عظیم سے نوازے۔

داخلہ میں انٹرویو کے لئے ۶۵ طلباء آئے تھے جن میں سے ۶۲ کو داخلہ دیا گیا۔ ابتداءً خیال یہ تھا کہ ان میں سے ۳۰۔۳۵ طلباء کو داخلہ کے لئے منتخب کر کے ان پر خوب محنت کی جائے تاکہ ہم بہترین نتائج دے سکیں۔ لیکن چند وجوہ کی بنا پر یہ فیصلہ تبدیل کیا گیا۔ اوّلاً یہ کہ اگر ہم صرف منتخب طلباء ہی کو داخلہ دیتے رہے تو اس طرح بہترین نتائج کی وجہ سے کالج میں داخلہ کے خواہش مند طلباء کی تعداد میں تو یقیناً اضافہ ہو گا اور کالج کی شہرت بھی یقیناً آگے بڑھے گی لیکن ہماری دعوت "رجوع الی القرآن" خاطر خواہ انداز میں آگے نہیں بڑھ سکے گی۔ ثانیاً یہ کہ منتخب طلباء کے ذریعے بہترین نتائج دینا کمال نہیں ہے۔ البتہ ہر سطح کے طالب علم کو داخلہ دے کر بھی اگر بہتر نتائج دئے جائیں تو یہ ضرور کسی درجہ میں کمال ہو گا۔ سو ہم نے اس چیلنج کو قبول کیا ہے۔ ثالثاً یہ کہ جو طالب علم قرآنی علوم کی تحصیل کی نیت سے آ رہا ہو، اُسے داخلہ دینے سے انکار کسی ایسی ٹھوس بنیاد پر ہونا چاہیئے کہ ہم آخرت میں اللہ تعالیٰ کے مؤاخذہ سے بچ سکیں۔ اس سلسلہ میں ہمارے ذہن میں سورۂ عبس کی ابتدائی آیات کا شان نزول تھا۔ (واضح رہے کہ وسائل کی محدودیت کو اگرچہ ہم ہلکے درجے کی رکاوٹ متصوّر کرتے ہیں تاہم اپنی جگہ یہ Factor بھی بہت اہم ہے۔)

اور رابعاً ہمیں یہ احساس تھا کہ داخلہ کا خواہشمند ہر طالب علم ہمارے کسی نہ کسی کرم فرما کی کوشش اور جدّ و جہد کے نتیجے میں آیا ہے۔ یہ وہ وجوہات ہیں جن کی بنا پر فیصلہ کیا گیا کہ ایف۔ اے (سال اوّل) کے دو سیکشن بنا لئے جائیں اور زیادہ سے زیادہ طلبہ کو داخلہ دیا جائے۔

الحمد للہ کہ ذہنی سطح کے اعتبار سے بھی صورت حال تسلّی بخش ہے۔ داخلہ حاصل کرنے والے طلباء میں سے ۱۷ ایسے ہیں جن کے میٹرک میں ۶۰ فی صد سے ۸۷ فیصد تک نمبر ہیں۔ اور صرف ۱۰ طلباء ایسے ہیں جن کے میٹرک میں ۳۹ فیصد یا اس سے کم نمبر ہیں۔

الیف اے کے دو سیکشن بنانے اور زیادہ داخلے دینے کی وجہ سے انجمن کے مالی وسائل مزید دباؤ میں آگئے ہیں۔ اس لئے کہ قرآن کالج اور اس کے ہاسٹل بلاک کی تعمیر کی وجہ سے یہ پہلے ہی خاصے دباؤ کا شکار تھے۔ کالج کے اساتذہ میں اس سال پانچ کُل وقتی اساتذہ کا اضافہ کیا گیا ہے۔ آپ لوگوں کے علم میں یہ بات ہوگی کہ کالج کے کُل وقتی اساتذہ کو انجمن کی طرف سے مروّجہ گریڈ ۱۷ دیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ چند جز وقتی اساتذہ کا تقرر بھی عمل میں لایا گیا ہے۔

الیف۔اے، بی۔اے اور ایک سالہ کورس میں داخلوں کے بعد اب کالج میں طلباء کی کُل تعداد ۱۱۸ ہوگئی ہے۔ الحمدللہ کہ ان میں سے ۷۶ طلباء خودکفیل ہیں، جبکہ ۴۲ طلباء کے تعلیمی اخراجات کی ذمّہ داری انجمن پر ہے اور ایک طالب علم پر انجمن اوسطاً ۴۰۰ روپے ماہوار خرچ کر رہی ہے۔

اس صورتحال کے پیشِ نظر ضرورت محسوس ہو رہی ہے کہ انجمن کے مالی وسائل کو تقویت بہم پہنچائی جائے۔ اس کی سب سے بہتر، پائیدار اور مستقل صورت یہی ہے کہ انجمن کے اراکین کی تعداد میں اضافہ کیا جائے۔ چنانچہ ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ اس سال کے اختتام یعنی ۳۱ دسمبر ۸۹ئ تک انجمن کے کم ازکم ۵۰۰ نئے اراکین بنائے جائیں۔ یہ ایک مشکل ہدف ضرور ہے لیکن ناممکن نہیں ہے اگر اراکین انجمن میں سے ہر رکن اپنے حلقہ میں سے کم ازکم ایک نیا رکن بنائے نیز رفقاءِ تنظیم اور شرکاءِ خط وکتابت کورس میں سے ہر فرد پہلے خود رکن بنے (اگر اب تک نہیں بنا ہے) اور اپنے حلقہ سے کم ازکم ایک نیا رکن بنائے تو ۵۰۰ سے کہیں زیادہ اراکین بن سکتے ہیں۔ بات صرف جدّوجہد کی ہے اور اگر ہم سب مل کر جہاد کریں تو بڑے سے بڑا ہدف بھی سرنگوں ہو جائے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔ اَلسَّعیُ مِنَّا وَ الْاِتْمَامُ مِنَ اللّٰہ۔

اس جہاد فی سبیل اللہ میں شرکت کے خواہش مند حضرات کی راہنمائی اور سہولت کی غرض سے انجمن کے قواعد وضوابط کے چیدہ چیدہ نکات درج ذیل کیے جا رہے ہیں۔ تفصیلاً مطالعہ کے خواہش مند حضرات خط لکھ کر قواعد وضوابط کا کتابچہ طلب کر سکتے ہیں۔ رکنیت کا فارم بھی منسلک ہے۔ مزید فارم خط لکھ کر بھی طلب کر سکتے ہیں اور اس کی فوٹو کاپی بھی استعمال کی جا سکتی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کا حامی و ناصر ہو اور ہمارے اس حقیر سے جہاد کو شرفِ قبولیت بخش کر ہم سب کے لئے ذخیرۂ آخرت بنا دے۔ آمین!

دعاگو

لطف الرحمٰن خان، ناظم نشر و اشاعت

مرکزی انجمن خدّام القرآن لاہور کے قواعد وضوابط کے چند اہم نکات

۱۔ انجمن کے مقاصد میں بنیادی مقصد لوگوں کو قرآن حکیم کی جانب متوجّہ کرنا ہے۔ اسی سبب سے انجمن کے کام کو دعوت رجوع اِلی القرآن کا نام دیا گیا ہے۔

۲۔ اراکین انجمن کے تین حلقے ہیں۔ (i) حلقۂ محسنین۔ یعنی وہ لوگ جو رکنیت اختیار کرتے وقت یکمشت پانچ ہزار روپے ادا کرتے ہیں اور جن کا ماہانہ زرِتعاون کم ازکم ایک سو روپے ہوتا ہے۔ (ii) حلقہ مستقل ارکان۔ یعنی وہ لوگ جو رکنیت اختیار کرتے وقت یکمشت دو ہزار روپے ادا کرتے ہیں اور جن کا ماہانہ زرِتعاون کم ازکم پچاس روپے ہوتا ہے۔ (iii) حلقہ عام ارکان۔ یعنی وہ لوگ جو یکمشت کچھ ادا نہیں کرتے اور جن کا کم ازکم ماہانہ زرِتعاون پچیس روپے ہوتا ہے۔

۳۔ انجمن کی مجلسِ منتظمہ چودہ ارکان پر مشتمل ہوتی ہے جس میں سے بارہ منتخب ہوتے ہیں اور دو نامزد۔

۴۔ مجلسِ منتظمہ کے منتخب ارکان میں سے چھ کو حلقۂ محسنین، دو کو حلقہ مستقل ارکان اور چار کو عام ارکان منتخب کرتے ہیں۔

۵۔ مجلسِ منتظمہ کے انتخاب کے لئے صرف ایسے وابستگان انجمن کے نام تجویز کئے جاسکتے ہیں جو (i) چالیس سال سے کم عمر کے نہ ہوں۔ (ii) انجمن سے وابستگی کا تین سال کا عرصہ مکمّل کر چکے ہوں (iii) نہ تو انجمن کے زیرِکفالت ہوں اور نہ ہی انجمن میں کسی منفعت بخش عہدے پر فائز ہوں۔

۶۔ لاہور میں رہائش پذیر صرف وہ مرد وابستگانِ انجمن اپنا حق رائے دہی استعمال کر سکتے ہیں جو سالانہ اجلاسِ عام میں موجود ہوں۔

۷۔ لاہور میں رہائش پذیر خواتین اور بیرونِ لاہور رہائش پذیر خواتین وحضرات بذریعہ ڈاک اپنا حق رائے دہی استعمال کر سکتے ہیں۔

۸۔ انتخاب میں صرف وہ وابستگان انجمن حق رائے دہی استعمال کر سکیں گے جن کی انجمن سے وابستگی کو ایک سال کا عرصہ گزر چکا ہو۔

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

۳۶۔ کے ماڈل ٹاؤن لاہور۔ ۵۴۷۰۰۔ فون: ۸۵۶۰۰۳-۸۵۶۰۰۴

درخواست رکنیت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محترم اراکین مجلس منتظمہ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ

میں مسمّی / مسماۃ (مکمل نام مع ولدیت) .....

(پتہ) .....

فون نمبر .....

اپنے آپ کو مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے حلقۂ محسنین / مستقل ارکان / عام ارکان میں شمولیت کے لیے پیش کرتا ہوں / کرتی ہوں۔

یکمشت زر تعاون _____ روپے بشکل نقد / چیک / ڈرافٹ نمبر _____

بنام _____ بنک لمیٹڈ _____ پیش خدمت ہے۔

مجھے انجمن کی قرارداد تاسیس و اغراض و مقاصد سے مکمّل اتفاق ہے اور میں نے انجمن کے قواعد و ضوابط کا بھی مطالعہ کر لیا ہے۔

چنانچہ میں مبلغ ★ _____ روپے ماہانہ زر تعاون ادا کرتا رہوں گا / رہوں گی۔

مزید برآں انجمن کے اغراض و مقاصد کے لیے حتی المقدور عملی تعاون بھی پیش کرتا رہوں گا / کرتی رہوں گی۔ اللہ تعالیٰ میرے اس انفاق کو قبول فرمائے اور مجھے اپنے دینِ متین کی بالعموم اور اپنی کتابِ عزیز کی بالخصوص خدمت کی بیش از بیش توفیق عطا فرمائے۔ (آمین) والسلام

تاریخ _____ دستخط _____

★ مؤسسین و محسنینِ انجمن کے لیے کم از کم ماہانہ زر تعاون ایک سو روپے ماہوار، مستقل ارکان کے لیے پچاس روپے ماہوار اور عام ارکان کے لیے پچیس روپے ماہوار ہے لیکن حسب استطاعت جتنا زیا

بعثتِ انبیاء و رسل کا اساسی مقصد ——— اور
بعثتِ محمدی کی تمامی و تکمیلی شان ——— نیز
انقلابِ نبوی کا اساسی منہاج ———

ایسے اہم موضوعات پر

——— ڈاکٹر اسرار احمد ———

کی

حد درجہ جامع تصنیف

نبی اکرم ﷺ کا مقصدِ بعثت

کا مطالعہ کیجیے

اشاعتِ خاص	(اعلیٰ سفید کاغذ مجلّد)	-/ ۲۰ روپے
اشاعتِ عام	(نیوز پرنٹ غیر مجلّد)	-/ ۸ روپے

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

۳۶۔ کے ماڈل ٹاؤن لاہور۔۱۴ فون: ۸۵۶۰۰۳

DECEMBER 1989 Regd No. L. No. 8193

MONTHLY
HIKMAT_E_QURAN
LAHORE

VOL.8
NO. 12

ماہنامہ میثاق کے ۱۹۶۷-۶۸ء کے اداریوں پر مشتمل

ڈاکٹر اسرار احمد
کی ایک اہم تالیف:

اسلام اور پاکستان

جسے بجا طور پر تحریکِ پاکستان کے تاریخی و سیاسی پس منظر اور
اسلامیانِ پاکستان کے تہذیبی و ثقافتی پس منظر پر ایک جامع و مربوط
دستاویز کی حیثیت حاصل ہے۔

نیا ایڈیشن، نئی خوبصورت کتابت اور دیدہ زیب طباعت کے ساتھ شائع ہو گیا ہے

قیمت: اعلیٰ ایڈیشن (مجلّد) -/۴۰ روپے اشاعتِ عام: -/۱۵ روپے

شائع کردہ
مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن، ۳۶۔ کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور